بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت اور اس کا دائرہ عمل

مقالہ

جو علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لئے پیش کیا گیا

نگران تحقیق:
ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر
استاد ادارہ علوم اسلامیہ
جامعہ پنجاب، لاہور

مقالہ نگار:
لیفٹیننٹ کرنل محمد صدیق اے ای سی
شعبہ دینی امور
جی ایچ کیو، راولپنڈی

ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور، 1997ء

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت
اور اس کا دائرہ عمل

1- تشکر و امتنان

2- مقدمہ

3- ابتدائیہ

4- باب اول : نظریہ، نظریہ اسلام، سپاہ کی نظریاتی اور عسکری تربیت

5- باب دوم : برصغیر اور پاکستان کے مسلم عساکر کی تربیت میں کار فرما عوامل اور نظریاتی سپاہ پر ایک نظر۔

6- باب سوم : دینی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے تناظر میں افواج پاکستان کے موجودہ نظام تربیت کا جائزہ

7- باب چہارم : افواج پاکستان کی مروجہ دینی اور نظریاتی تربیت کے ثمرات و نتائج۔

8- باب پنجم : افواج پاکستان کے دینی اور نظریاتی نظام تربیت کو بہتر بنانے کے لئے تجاویز۔

9- نتائج بحث

10- اختتامیہ

11- اشاریہ

12- مصادر و مراجع

تشکر و امتنان

میں اپنی اس کاوش کے لئے پاکستان کی بری فوج کا ممنون ہوں کہ جی ایچ کیو نے اس تحقیق پر مامور کر کے مجھے حصول علم کا یہ نادر موقع فراہم کیا۔ اس کے علاوہ میں بالجملہ پنجاب یونیورسٹی کے ادارہ علوم اسلامیہ اور بالخصوص رئیسۃ الادارہ محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ اور اپنے راہنما اور استاد ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر صاحب کا نہایت عقیدت سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے چار سال کمال شفقت سے میری ہر مرحلہ پر راہنمائی کی اور اس تحقیق کو تکمیل کے مراحل تک پہنچانے میں میری پوری مدد فرمائی۔

میری تحقیق میں خصوصی تعاون کرنے والے عساکر پاکستان کے چند احباب بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر عمر فاروق غازی، میجر گل نواز، ایئر فورس کے ماسٹر وارنٹ آفیسر (دینی امور) خدا بخش، خطیب سید محمد عبداللہ شاہ اور صوبیدار محمد یعقوب اے ای سی جنہوں نے تحریر و تسوید میں میرا خاصا ہاتھ بٹایا۔

لاہور کی تمام بڑی لائبریریوں کے مسئولین بھی خصوصاً قائداعظم لائبریری اور ملٹری اسٹیشن لائبریری کے جملہ احباب خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کے فراخدلانہ تعاون سے تحقیق کا کام آسان ہوا۔ آخر میں مقالہ کو کمپوز کرنے والے صاحبان شہباز مزمل اور اصغر علی کا بھی شکر گزار ہوں جن کی کاوش سے مقالہ کو یہ دلکش صورت ملی۔

مقدمہ

راقم الحروف عرصہ پچیس سال سے پاکستان کی بری فوج کے شعبہ تعلیم اور دینی امور سے منسلک ہے۔ اس دوران دینی تعلیم کی ترویج اور سپاہ کی نظریاتی تربیت کے حوالے سے مختلف حیثیتوں میں کام کرنے اور متفرق جہات سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نظام کا بنظر عمیق مطالعہ کرنے اور اس میدان میں تحقیقی کام کرنے کا شوق اجاگر ہوتا رہا۔

اس شعبہ میں باقاعدہ تحقیق کے لئے میری درخواست کو منظور کرتے ہوئے جی ایچ کیو نے 1993ء میں مجھے ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے منتخب کرلیا۔ میں نے اپنے تحقیقی مقالہ کے لئے مذکورہ عنوان تجویز کیا جسے پنجاب یونیورسٹی کے ادارہ علوم اسلامیہ نے 1994ء میں قبول کرلیا۔ چار سال کے عرصہ میں اس عنوان پر تحقیق کرنے کے بعد 1997ء کے اواخر میں یہ مقالہ پیش کیا گیا۔

اس عنوان پر اس سے قبل پاکستان میں کام نہیں ہوا۔ صرف راقم الحروف کے ایم اے ایجوکیشن کے تحقیقی مقالہ کی شکل میں ایک ابتدائی کاوش موجود ہے جو ایک مختصر دورانئے پر محیط بری فوج میں دینی رجحانات کا خاکہ پیش کرتی ہے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ عساکر پاکستان کے طویل ماضی پر محیط اور زمانہ حال تک پھیلے ہوئے دینی اور نظریاتی تربیت کے ہمہ گیر نظام کا تجزیہ کرکے مستقبل کے لئے جامع نقشہ پیش کیا جائے اور اس جہت میں تمام پہلوؤں پر مواد کو یکجا کردیا جائے۔

اپنی نوعیت کی اس پہلی کاوش کے خاطر خواہ اور تسلی بخش نتائج مرتب ہوئے ہیں راقم الحروف اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب رہا ہے۔ کیونکہ اس تحقیق میں ماضی کا تجزیہ ہے، حال کی تصویر کشی کی گئی ہے

اور عساکر پاکستان کے لئے آئندہ موثر نظام تربیت کو جامع شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تحقیق کے نئے میدان بھی سامنے آئے ہیں جن کا تذکرہ مقالہ کے آخر میں کیا جا رہا ہے۔

مقالہ نگار

لیفٹیننٹ کرنل محمد صدیق اے ای سی

9 دسمبر 1997ء

8 شعبان المعظم 1418ھ

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت اور اس کا دائرہ عمل

صفحہ نمبر

ابتدائیہ 2

مقاصد تحقیق 2

تحقیق کی اہمیت و ضرورت 3

تحقیق مقاصد کے حصول کے لئے مصادر 7

باب اول

نظریہ، نظریہ اسلام، سپاہ کی نظریاتی اور عسکری تربیت

فصل اول ---- نظریہ کی تاریخ 8

1- نظریہ اور مذاہب عالم 10

2- قبل از اسلام نظریہ حیات 12

الف- اہل یونان کا نظریہ حیات 12

ب- ہنود کا نظریہ حیات 13

ج- یہود کا نظریہ حیات 14

د- نصاریٰ کا نظریہ حیات 16

3- نظریات کا تقابل 17

فصل دوم --- نظریہ اسلام

1- اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معانی 18

2- اسلام، ایمان اور دین کا باہمی تعلق 19

3- نظریہ اسلام خطاب حبشہ کی روشنی میں 21

4- نظریہ اسلام کا مقصود 22
5- اسلامی نظریہ حیات کی دو بڑی خصوصیات 23
6- اسلامی نظریات کی بنیادیں 27

فصل سوم --- عسکریت 42
1- غیر مسلم معاشرہ اور عسکریت 43
2- جدید نظریات اور عسکریت 51
3- عسکریت کا اسلامی تصور 52

فصل چہارم ---- مسلم سپاہ کی نظریاتی تربیت
1- تربیت کے لغوی اور اصطلاحی معانی 57
2- مسلم معاشرہ کی تربیت 60
3- مسلمان سپاہی کی تربیت، اس کے مقاصد اور بنیادیں 60
4- مسلم سپاہ کی نظریاتی تربیت کے ماخذ 61
الف- قرآن مجید 62
ب- سنت رسول اللہ ﷺ 66
ج- سیرت صحابہؓ 74
د- تعامل قائدین اسلام 79

فصل پنجم ---- مسلم سپاہ کی عملی تربیت
1- اسلامی تربیت کے ادارے 89
الف- الاسرہ 89
ب- المسجد 90
ج- المدرسہ 91
د- المجتمع 92
ھ- الورشۃ والبیتہ 93

2- ارکان اسلام	95
الف- نماز اور نظام وحدت و اطاعت	97
ب- زکوٰۃ اور تزکیہ نفس	98
ج- روزہ اور تقویٰ	99
د- حج و قربانی- ایک جامع تربیت	100
3- جہاد فی سبیل اللہ	103
الف- جہاد کی غرض و غایت	104
ب- التحریض علی القتال	106
ج- ثابت قدمی و استقلال	107
د- فتح کا مدار نصرت خداوندی پر	108
ھ- مسلم سپاہ کی تربیت صلح حدیبیہ کی روشنی میں	109
و- اطاعت امیر حرب اور جھنڈوں کا استعمال	110
ز- میدان جنگ میں حملہ سے پہلے اسلام کی دعوت	113
ح- موجودہ دور میں مجاہدین کی ذمہ داریاں	116
ط- مسلم سپاہ کی داخلی و خارجی دفاعی قوت کے عوامل	117
ی- جہاد میں شرکت کرنے والے مختلف شعبوں والے جنود	117

باب دوم

برصغیر اور پاکستان کے مسلم عساکر کی تربیت میں کارفرما عوامل اور نظریاتی سپاہ پر ایک نظر

فصل اول --- برصغیر کے مسلم عساکر کی تربیت میں جیش عرب، مسلم فاتحین اور دیگر عوامل کا کردار

1- عرب افواج کی یلغار اور اس کے تربیتی پہلو	123
الف- مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں عساکر اسلام کا کردار	123
ب- جہاد کی اصل غایت اعلاء کلمۃ اللہ	125

ج- عساکر کے اقدام کا ہدف انسداد فتنہ اور قیام امن 127
د- قائد میں تحریض علی الجہاد کا ملکہ 128
ھ- میدان جہاد میں نعرہ تکبیر سے تقویت 129
و- سپہ سالار کی اعلیٰ عسکری صلاحیت اور اخلاق حمیدہ 130
2- جیش عرب کے ساتھ تعامل میں عساکر کے لئے تربیتی اسباق
الف- اخلاق حمیدہ کا اہتمام 131
ب- قرآن و سنت کا التزام 131
ج- ولولہ جہاد اور شہادت کی تمنا 132
د- خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی دعوت اور تربیت عساکر 133
3- مسلم فاتحین کا ورود اور عساکر کی تربیت
الف- عساکر غزنہ کے اقدام میں تربیتی اسباق 136
ب- سلطان غیاث الدین بلبن کی سیرت کے تربیتی گوشے اور اعداد الجنود 138
ج- سلطان معزالدین محمد غوری کی استقامت اور عساکر کی تربیت 140
د- بابر کا بحیثیت سپہ سالار کبائر سے اجتناب 141
4- برصغیر کی جہادی و دینی تحریکیں اور تربیت عساکر
الف- شمالی ہند میں سید احمد رائے بریلی کی تحریک مجاہدین 143
ب- بنگال کی مسلم تحریکیں اور تربیت مجاہدین 147
فصل دوم ---- تحریک پاکستان اور عساکر کی نظریاتی تربیت
1- نظریہ پاکستان کا ارتقاء اور عساکر پر اس کے اثرات 149
2- پاکستان کی نظریاتی بنیادیں 151
3- علامہ محمد اقبال کے ارشادات اور عساکر کی ذہنی تربیت 153
4- بانی پاکستان کے ارشادات اور عساکر کی ذہنی تربیت 153

فصل سوم ---- عساکر کی تربیت میں مکاتب و مساجد کا کردار

1- تعلیم اور عساکر کی نظریاتی تربیت 157

2- نظریاتی تربیت میں مکاتب کا کردار 158

3- عملی زندگی میں مساجد کا کردار 161

فصل چہارم ---- عساکر پاکستان کی تربیت میں کار فرما عوامل

1- عساکر پاکستان کی عملی تربیت میں قائد اعظم محمد علی جناح کے خطابات کا حصہ 164

2- ستمبر 65ء کی جنگ اور مسلح افواج کی عملی تربیت 177

3- امیر عساکر کی تحریض اور سپاہ کی تربیت 179

فصل پنجم ---- نظریاتی سپاہ اور ان کی تربیت پر ایک نظر

1- اسرائیل کی نظریاتی سپاہ اور ان کے تربیتی نظام کے اثرات 183

2- جنگ رمضان میں مصری سپاہ کی اعلیٰ کارکردگی میں کار فرما تربیتی عوامل 185

3- جہاد افغانستان میں کار فرما تربیتی اصول 188

4- عساکر پاکستان کا دیگر نظریاتی سپاہ کے تربیتی نظام سے استفادہ 192

باب سوم

دینی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے تناظر میں افواج پاکستان کے موجودہ نظام تربیت کا جائزہ

فصل اول ---- عساکر اسلام کے لئے عمومی ہدایات

1- ہر حال میں اللہ کی راہ میں نکلنا 196

2- نفیر عام اور جہاد کے لئے پوری قوت لگانا 197

3- قبل از وقت دفاعی اقدامات 198

4- جہاد کے لئے خواتین کی تربیت 201

5- فوجی تربیت اور اسلحہ سازی پر مداومت 203

6- قیدیوں اور دشمن کے ساتھ حسن سلوک 205

7- سلامتی اور بقاء باہمی کی ترویج 207

8- اسلامی قوانین صلح و جنگ 208

فصل دوم ---- عساکر اسلام کے لئے تربیتی احکامات

1- نصرت خداوندی طلب کرتے رہنا 210

2- فرار کی ممانعت 212

3- کثرت کے غرور سے اجتناب کا حکم 213

4- امیر عساکر کے فرائض 214

5- رجمنٹوں کے لئے مختلف شعار اور جھنڈوں کا استعمال 216

6- سراغ رسانی اور جنگی چالیں 218

7- صداقت اور امانت کا لزوم 220

8- محاذ سے واپسی پر نماز شکر و استقبال 221

فصل سوم ---- عساکر اسلام اور رباط فی سبیل اللہ

1- رباط کا مفہوم اور حقیقت 223

2- رباط (جنگی تیاری) کی ضرورت و اہمیت 223

3- رباط کا حکم قرآن مجید میں اور مختلف مفسرین کی تشریح 224

4- مرابطین کی فضیلت از روئے حدیث 228

5- رباط کی عمومیت و جامعیت 231

6- بحری مرابطین کی فضیلت 232

7- رباط اور جنگی مشقیں 235

8- رباط فی سبیل اللہ کے آداب 235

فصل چہارم ---- نظریہ پاکستان

1- مسلم ریاست کی تشکیل 236

2- پاکستانی سپاہ کی تنظیم 239
فصل پنجم ---- پاکستانی افواج کی دینی اور نظریاتی تربیت کا نظام
1- افواج پاکستان کی دینی فضا کا پس منظر 241
2- افواج پاکستان میں اسلامی تعلیمات کی ترویج
الف- 1947ء سے 1968ء تک 243
ب- 1968ء سے 1976ء تک 244
ج- 1977ء میں تینوں مسلح افواج میں دینی محکمہ کا نظام 246
3- پاکستانی افواج کا موجودہ نظام تربیت 247
4- شعبہ دینی امور کے اغراض و مقاصد 249
5- کالج آف آرمی ایجوکیشن میں جاری کردہ کورسز 249
6- مقابلہ ہائے حسن قرأۃ و حفظ 249
7- عساکر کے مابین تحریضی مقابلے 250
8- اسلامی لٹریچر کی اشاعت 250
9- متفرق تربیتی امور کا اہتمام 251
10- شعبہ دینی امور کی طرف سے جاری کردہ احکامات و ہدایات 251
11- عساکر کے تمام طبقات کے لئے مربوط اور جامع نظام تربیت 252
12- متفرق عسکری مراکز کی طرف سے جاری کردہ دینی تربیتی تعلیمات 253
13- جی ایچ کیو کے دیگر شعبہ جات کی دینی خدمات 254
14- پاک بحریہ اور پاک فضائیہ کا دینی اور نظریاتی تربیتی نظام 257
15- فوجی اعزازات کی شکل میں عساکر کی حوصلہ افزائی 258
الف- 1971ء کی جنگ میں اعلیٰ اعزاز پانے والے لانس نائک
محمد محفوظ (نشان حیدر) کا ایمان افروز خط 258
ب- تعریفی رپورٹ 259

ج- اعزاز کی اطلاع والدہ کو 260
د- یونٹ کی طرف سے اعزاز کا اعلان 261
16- نتائج 262

باب چہارم

افواجِ پاکستان کی مروجہ دینی اور نظریاتی تربیت کے ثمرات و نتائج

فصل اول ---- دفاع وطن کے تناظر میں تربیتی ثمرات و نتائج

1- کشمیر میں پاکستانی فوج کی عمدہ کارکردگی 266
2- 1965ء کی جنگ میں افواج پاکستان کی اعلیٰ کارکردگی 267
3- 1965ء کی جنگ میں انفرادی کارہائے نمایاں
الف- ستمبر65ء کی پاک بھارت جنگ کے پہلے شہید 272
ب- میجر عزیز بھٹی شہید کا شاندار کارنامہ 273
4- فرمان خصوصی کے مثبت اثرات 2774
5- پاکستان قومیت اور جذبہ اخوت کے مثبت اثرات 275
6- جنگ ستمبر میں ناقص کارکردگی کے تربیتی عوامل 278
7- 71ء کی جنگ میں فضائیہ کی خلاف توقع کارکردگی کے عوامل 279

فصل دوم ---- عساکر پاکستان پر مرتب ہونے والے عمومی نوعیت کے اثرات

1- دور غلامی کی غیر اسلامی عسکری روایات کے اثرات 280
2- انگریزی دور کے مادہ پرستانہ نظام تعلیم کے اثرات 280
3- مادیت اور محض اسلحہ کے حصول میں مسابقت کے منفی پہلو 280
4- سپاہیوں اور قائدین میں مصنوعی فاصلے اور عدم مساوات کے منفی اثرات 281
5- 71ء کی شکست اور اس کے منفی اثرات 282

6- عساکر پاکستان پر ہمہ گیر مثبت اثرات مرتب کرنے والے عوامل 287
7- ملکی تعمیرو ترقی میں افواج کا مثبت کردار 291
8- عساکر پاکستان کی بیرون ملک خدمات کے ثمرات 294

فصل سوم---- شعبہ ہائے دینی امور کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کے ثمرات و نتائج

1- قائدین کی دینی تربیت کے مثبت نتائج 296
2- کیڈٹس پر عربی زبان اور علوم اسلامیہ کی لازمی تعلیم کے مثبت اثرات 297
3- کالج آف آرمی ایجوکیشن میں سردار صاحبان کی دینی تربیت کے نتائج 297
4- دینی معلمین کی تقرری اور تربیت کے ثمرات 298
5- چھاؤنیوں میں مساجد کی آبادی اور تعمیر کے اثرات 298
6- علوم اسلامیہ اور قرآنی تعلیم کو رواج دینے کے نتائج 299
7- اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے اثرات 300
8- پاک فضائیہ کے شائع کردہ تربیتی مواد 302
9- پاک بحریہ کی طرف سے جاری کردہ تربیتی مواد 302
10- حج و عمرہ کے وفود کی برکات 302
11- سعودی عرب میں مبعوث کردہ سپاہ اور دین دارانہ ثمرات 303
12- بری فوج میں دینی تجدیدی کورسز کے نتائج 303
13- فضائیہ میں دینی پیش رفت 304

باب پنجم

افواج پاکستان کے دینی اور نظریاتی نظام تربیت کو بہتر بنانے کے لئے تجاویز

فصل اول---- جذبہ جہاد کو تقویت دینے والے عوامل

1- ایمان کی پختگی 307
2- اخروی زندگی اور جزا و سزا کا تذکرہ 309

-3	آیات جہاد کی تلاوت اور دعائیں	310
-4	مسنون عسکری شعائر کا امتثال	312
-5	صوم و صلوٰۃ کی پابندی	314
-6	دشمن کے غلبہ کا خوف دلا کر جہاد کی ترغیب دلانا	315
-7	تاریخی کارناموں کا تذکرہ	316
-8	استقامت اور اطاعت امیر	317
-9	قائد کی ثابت قدمی اور سپاہ کی مکمل تیاری	322
-10	اعتصام و اخوت	322
-11	حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی اور اعزازات	324
-12	رزمیہ اشعار	327
-13	عساکر کی پیش قدمی	329

فصل دوم---- جذبہ جہاد کو کمزور کرنے والے عوامل

-1	ضعف ایمان	330
-2	ناگہانی حالات	330
-3	باہمی نزاع و بد اعتمادی	331
-4	دشمن کا پروپیگنڈہ	332
-5	دشمن کا مسلسل دباؤ اور اعصابی تناؤ	335
-6	دشمن کی پیش قدمی	336

فصل سوم---- موجودہ نظام تربیت میں مجوزہ اصلاحات

-1	تقویت ایمان کے لئے چند مسلسل	338
-2	نظریہ سے وابستگی اور جہاد پر مداومت	340
-3	نظام صلوٰۃ کا قیام	340

4- مسجد کی مرکزیت کا احیاء	341
5- مشاہیر اسلام کے کارناموں سے راہنمائی	342
6- ہر نافع علم کے حصول کی کاوش	343
7- ملی شعراء کے کلام سے استفادہ	343
8- وقتی پسپائی کے منفی اثرات کا ازالہ	344
9- دشمن کی چالوں کا ادراک اور اس کا تدارک	345
10- عسکری استعداد کا اظہار	346
11- عساکر کی اعلیٰ کارکردگی پر حوصلہ افزائی	347
12- سپاہ کی پیشہ ورانہ یکسوئی کا اہتمام	348
13- مجاہدین کی فلاح و بہبود کے لئے حتی الامکان کاوش	349
14- قومی مشن کا تعین اور مستقبل کی منصوبہ بندی	350
فصل چہارم ---- شعبہ ہائے دینی تعلیمات کو مزید فعال بنانے کے لئے تجاویز	
1- شعبہ جات کی تشکیل نو اور افرادی قوت میں اضافہ	351
2- نعرہ تکبیر کے فروغ کے لئے اقدامات	353
3- نظریاتی اور تاریخی علوم کی ترویج	353
4- بحریہ اور فضائیہ میں مذہبی کورسز اور تقریری مقابلوں کا اہتمام	354
5- عربی کو بطور لازمی مضمون عمومیت دینا	355
6- عساکر کی معیاری اور بامقصد بھرتی کے لئے منصوبہ بندی	355
7- خطباء کی تدریسی ذمہ داریوں کو منظم کرنا	355
8- دینی تربیتی ریکارڈ کو منضبط کرنا	356
9- امیر عساکر کا امامت کے فرائض ادا کرنا	356
10- قائد کا اپنے آپ کو بطور عملی نمونہ پیش کرنا	356
11- سپاہ کے مسائل کا بروقت حل کرنا	357

12- بری فوج کے دینی امور کے افسران کا متفرق کارروائیوں میں بھرپور شرکت کرنا 358
13- غازی یا شہید کے جذبہ کو زندہ کرنا 359
14- تینوں افواج کے شعبہ ہائے دینی امور کا باہمی استفادہ 359
15- موجودہ نظام تربیت میں تجزیاتی کمی کو دور کرنے کے لئے تجاویز 361
16- قائدین اور مشیران دینی امور کے لئے توجہ طلب امور 362
نتائج بحث 363
اختتامیہ 368
اشاریہ 371
الف- قرآنی آیات 372
ب- احادیث 379
ج- اسماء 384
د- اماکن 395
مصادر و مراجع 401

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت
اور اس کا دائرہ عمل

ابتدائیہ:

پاکستان کے قیام کی بنیاد ایک نظریہ پر یعنی "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" پر ہے۔ اس ملک کی بقا نظریہ اسلام کی حفاظت و مداومت کے ساتھ منسلک ہے۔ افواج پاکستان ملک اور اس کے نظریہ کی محافظ و ضامن ہیں۔ عساکر پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت کے ذریعے ہی اس فریضہ کو کماحقہ، سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ اور مطلوبہ مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اسی لئے اس پہلو پر سیر حاصل بحث کرنے، تربیتی کاوشوں کو منظم کرنے، مطلوبہ مقاصد کو متعین کرنے نیز ان کے حصول کو یقینی بنانے کے لئے جو مسئلہ منتخب کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

بیان مسئلہ:

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت کیسے ہو اور اس کا دائرہ عمل کیا ہونا چاہئے؟

مقاصد تحقیق:

اس تحقیق کے مقاصد میں سے افواج پاکستان کو چودہ صدیوں پر محیط اپنے ماضی سے روشناس کرانا اور نظریاتی طور پر باخبر کرنا نیز فریق مقابل کی سوچ و فکر سے آگاہی کرانا ہے۔ اور یوں مستقبل کے لئے واضح لائحہ عمل پیش کر کے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تیار کرنا ہے۔ تحقیق کے مقاصد کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

1- نظریہ اسلام کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مسلمان سپاہ کے دینی اور نظریاتی جذبات کی حدود و وسعت، مطلوبہ مقاصد اور ان کے حصول کے لئے تحریک و تحریض کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کرنا نیز اسوہ حسنہ، عمل صحابہؓ اور مسلم قائدین اور سپہ سالاران کے طرز عمل سے راہنما اصول متعین کرنا۔

2- قدیم و جدید غیر مسلم سپاہ کے اعلیٰ جنگی کارناموں کے پس پردہ نظریاتی اور معنوی بنیادوں کا مطالعہ کرنا، مختلف زمانوں اور صورتوں میں متفرق طریقہ ہائے ترغیب و تربیت کا بنظر غائر مطالعہ کرنا نیز اسلامی تصورات کے تقابل میں ان کا تجزیہ کرنا۔

3- افواج پاکستان کی تشکیل کا پس منظر، اس کی موجودہ تنظیم اور پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ ساتھ دینی اور نظریاتی تربیت کے عوامل کا تقابل کرنا اور مختلف میدان ہائے جنگ میں کارکردگی کا بنظر عمیق جائزہ لیتے ہوئے محرکات

کا مطالعہ کرنا اور نتائج مرتب کرنا۔

4۔ مختلف اقوام کے عساکر کی خوبیوں اور اسلام کے دیئے ہوئے روشن نظام تربیت کی بنیاد پر افواج پاکستان کی ہمہ گیر دینی اور نظریاتی تربیت کے دائرہ عمل کا تعین کرنا اور اس کے لئے ایک جامع نظام تجویز کرنا۔

5۔ تحقیق سے ماخوذ نتائج پر سیر حاصل بحث کرنا اور مزید تحقیق کی نشاندہی کرنا۔

تحقیق کی اہمیت و ضرورت:

اس موضوع پر تحقیق کی اہمیت و ضرورت اس امر سے واضح ہے کہ امت مسلمہ کی سرفرازی اور عالم میں باعزت مقام کی بازیابی، موجودہ پستی کا علاج، مرعوبیت اور پسماندگی کا تدارک، سائنسی اور معاشی کم مائیگی کا حل صرف اور صرف دین اسلام، اس کی روح کو سمجھنے اور اس کو عالم میں نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کرنے میں ہے۔ افواج پاکستان کے لئے ایسے تمام امور کی بروقت نشاندہی ایک مستقل ضرورت ہے جن میں اس امت کی کامیابی پنہاں ہے۔ آزادی کے بعد فراوانی کا آنا بدیہی امر تھا۔ وسعت کے اس دور میں اپنی منزل مقصود کو ہر وقت نگاہ میں رکھنا لازمی ہے ورنہ تنزل کا اندیشہ ہے۔ صدر اول میں بھی مسلمانوں کی اسی طرز پر راہنمائی کی گئی۔ جب صحابہؓ کو فتوحات نصیب ہوئیں تو آپس میں کہنے لگے کہ اب تو دین کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ اب زمینوں اور کاروبار کی فکر کرنا چاہئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: [1]

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ [2] "کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔"

گویا جہاد میں سستی ہلاکت ہے نیز اس پر مداومت کے لئے مستقل تربیت کی ضرورت ہے امت مسلمہ کی دینی اور نظریاتی تربیت کی ذمہ داری تو متعلقہ ممالک کے ارباب اقتدار پر ہے اور وہ اپنے تئیں کوشاں ہوں گے۔ اس مقالہ میں پاکستان میں اس جہت میں جو کاوشیں ہوتی رہی ہیں۔ ان کا احاطہ اور تجزیہ مقصود ہے نیز تحقیق کے دائرہ کار کو وسعت دے کر اس کے دائرہ عمل کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا بھی مطلوب ہے جو مستقبل کے لئے اس شعبہ میں راہنمائی کا کام کر سکے۔

---

[1] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر ابن کثیر، اصح المطابع، کراچی، 52/2

[2] القرآن۔ 2:95

دائرہ عمل کی تفصیلی تحقیق اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ آیا اس شعبہ میں مطلوبہ کام کس حد تک ہو رہا ہے اور کہاں تک درست سمت میں ہو رہا ہے۔ نیز یہ اپنی جامعیت کے اعتبار سے کہاں تک مکمل ہے۔ اور کہاں تک تشنہ ہے تاکہ مسئلہ کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکے اور خوابیدہ گوشوں کو متحرک کیا جا سکے۔

گویا افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت اور اس کے دائرہ عمل کا تعین ایک مسئلہ ہے۔ جو تحقیق طلب ہے۔ اس مسئلہ کی اہمیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس پر سیر حاصل بحث کی جائے اور محقق امر سامنے لایا جائے اور اس مسئلہ کا جامع حل پیش کیا جائے۔

عساکر اسلام کی تنظیم کی نوعیت مختلف رہی ہے۔ ابتدا میں ہر مسلم عسکری تھا۔ اور ہر مجاہد بنفس نفیس جہاد میں حصہ لیتا تھا۔ رفتہ رفتہ عساکر اسلامی مستقل فوج (Standing Army) اور مستحفظ قوت (Reserve Force) میں منقسم ہو گئے۔ شروع شروع میں باقاعدہ مشاہرہ، چھاؤنیاں، حکومتی اسلحہ اور دیگر تنصیبات کا رواج نہ تھا۔ جسے بعد میں منظم کیا گیا۔ بلکہ ہر مجاہد اپنی اپنی سواری اور ذاتی اسلحہ کا خود ذمہ دار ہوتا تھا۔ اور اس کے بقدر مشاہرہ کی بجائے اس کو مال غنیمت میں حصہ ملتا تھا۔ البتہ سب کا مقصود دعوت الی اللہ اور اعلاء کلمہ الحق رہا۔ اور اس کے مقاصد میں سے عالم میں امن کا قیام، ہدایت کا نشور، اخوت کا قیام، شرک کا ابطال اور توحید کا اقبال رہا۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے مجاہد اسلام راہ حق میں شہادت کی تمنا لئے ہوئے "نصر من اللّٰہ و فتح قریب"[ط۱] کی روشنی میں اللہ کی مدد پر یقین کے ساتھ عالم کی نظریاتی اور دینی تربیت کرتا ہوا بڑھتا چلا جاتا تھا۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ سیاسی حکومتوں کے قیام کی وجہ سے سپاہ کا بھی سیاسی استعمال رواج پکڑتا گیا۔ انتظامی علاقوں کے وسیع ہونے کی وجہ سے بغاوتوں کو فرو کرنے کی ذمہ داری عساکر کی طرف منتقل ہوتی چلی گئی۔ البتہ مسلم سپاہ کی پہچان دین اسلام اور ان کا شعار سنت نبوی ﷺ رہا۔ جب مسلم حکومتیں محض سیاسی انتظام تک محدود رہ گئیں تو فوج کا کام بھی حاکم وقت کے تسلط کو دوام بخشنا رہ گیا اور یوں دینی اور نظریاتی بنیاد کمزور ہوتی چلی گئی۔ عساکر اسلام میں اعتقادی، عملی اور اسلامی ضعف بڑھتا چلا گیا۔ باطل کو غلبہ پانے میں آسانی ہوتی چلی گئی۔

اس دینی اور نظریاتی ضعف کے زمانے میں جن قائدین نے دین کے غلبہ کو بحال کرنے کے لئے جدوجہد کی۔

ط۱ القرآن۔ 13:61

انہوں نے دینی اور نظریاتی بنیاد کو نئے سرے سے استوار کیا اور مجاہدین کہلواتے ہوئے نظریہ اسلام کی بحالی اور قیام کے لئے مستقل جہادی تحریکیں چلائیں۔ ایسے راہبرو راہنما ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہے اور دنیا کے مختلف خطوں میں کفر کے استبداد و استغلال کو قطع کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ یہ محض تائید خداوندی سے ہوتا رہا ورنہ کفر نے اسلام کی نظریاتی بنیادوں کو مٹانے کے لئے پورا زور لگایا۔ مگر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ جو ان الفاظ میں کیا گیا تھا: "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون"[له] کہ "یقیناً ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں" اور یوں دین اسلام کو قطع و برید سے پاک کر کے اسے خالص حالت میں سامنے لانے کا اہتمام ہوتا رہا اور عساکر اسلام کی دینی اور نظریاتی تربیت کا احیاء ہوتا رہا۔ مختلف حالات میں دین متین کے نفاذ کے لئے نئی نئی جہتیں آشکار ہوتی چلی گئیں بالخصوص عساکر اسلام کی تیاری، تنظیم، لائحہ عمل سے آگاہی، مقاصد کا تعین اور ان کے حصول کے لئے راہیں ہموار ہوتی چلی گئیں۔ خلافت اسلامی کے قیام تک مسلمان خطے کسی نہ کسی سطح پر مرکز سے منسلک رہے۔ البتہ خلافت کے خاتمہ پر یہ مرکزیت ختم ہوگئی اور اغیار نے اسلامی ممالک کو اپنے پنجہ استبداد میں جکڑ لیا اور مسلمان خطے بکھر گئے اور یہ سب کچھ دینی اور نظریاتی ضعف کی وجہ سے تھا۔ جس کی وجہ سے محبت و مودت نفرت میں بدل گئی۔ اخوت و اپنائیت دشمنی اور بعد میں بدل گئی۔ احسان و عدل کی جگہ ظلم و فساد نے لے لی۔ اپنوں کے بجائے غیر ہمدرد لگنے لگے اور یوں اپنی قوت غیروں کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔ دشمن نے قوت حاصل کرنے کے بعد چن چن کر بدلے لئے تب اپنی دینی اور نظریاتی کمزوری کا احساس اجاگر ہوا۔

مسلمانوں نے نئے سرے سے اپنی بنیادوں کو استوار کرنا شروع کیا دین و ایمان کی بنیاد پر اکٹھے ہوئے اور بہت جلد اپنے کندھوں سے سیاسی غلامی کا جوا اتار پھینکا اور سیاسی آزادی حاصل کر لی مگر جغرافیائی طور پر بے شمار ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔ اپنے اپنے خطوں میں مسلمانوں نے دفاع کے لئے اپنی اپنی سپاہ کو منظم کیا۔ اس کو دینی اور نظریاتی بنیادوں پر اٹھانا شروع کیا اور یوں عالم میں ایک نئی اسلامی سپاہ وجود میں آگئی۔

له القرآن 9:15

یہ سپاہ چونکہ مغرب کے ایک طویل استبداد کے بعد وجود میں آئی۔ اپنے ماضی سے تعلق کچھ عرصہ سے کٹ گیا تھا۔ اس لئے ان کے اسلامی تشخص پر کسی قدر ضعف آگیا۔ اس سپاہ کی دینی اور نظریاتی تعلیم و تربیت اور اس کے احیاء نیز مستقل اہتمام کی ضرورت ہے تاکہ یہ قوت صرف اپنی اپنی سرحدوں تک محدود نہ رہے بلکہ اپنے اسلاف کے ساتھ اپنی نسبت کو مضبوط کرتے ہوئے دین متین کے متعین کردہ مقاصد کو حاصل کر سکے۔ جس کے نتیجہ میں عالم کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ کی فضا پیدا ہو سکے۔ عساکر عالم اسلامی کی دینی اور نظریاتی تربیت کے حوالہ سے افواج پاکستان مہمیز کا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ کیونکہ اس ملک کی بنیاد اسلامی نظریہ پر ہے اور اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت گویا اس ملک کا بنیادی نظریہ ہے۔ افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت عالم اسلام کی سپاہ کی دینی اور نظریاتی تربیت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس لئے اس موضوع پر تحقیق کی اہمیت از خود عیاں ہو جاتی ہے۔

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت کے دائرہ عمل کے حوالہ سے اس بات پر بحث کرنا بھی مقصود ہے کہ مغربیت اور استعماریت کے داؤ پیچ کو سمجھا جائے اور دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں اس کا توڑ پیش کیا جائے تاکہ ایک تو مرعوبیت سے نکلا جائے اور دین اسلام کی تعلیمات کی پیروی میں ہی اپنی کامیابی کے پنہاں ہونے کا عقیدہ راسخ دلوں میں جمایا جمائے۔ دوسرے آئندہ ایسی شیطانی قوتوں کو بروقت دفع کیا جائے تاکہ دنیا میں فساد نہ پھیلا سکیں اور اسلامی معاشروں کے لئے خطرہ کا باعث نہ بن سکیں نیز پاکستانی افواج کو دین اسلام کے ساتھ اپنے رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ خدانخواستہ پاکستان پر کسی قسم کا حرف اس کے نظریہ یعنی اسلام پر حرف آنے کے مترادف ہو گا لہٰذا اس نازک پہلو کی نشاندہی افواج پاکستان کو کرنا اشد ضروری ہے۔ اور نظریہ اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے افواج پاکستان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ اس کے دائرہ عمل سے پوری طرح واقف ہوں۔

اس مقصد کے پیش نظر یہ تحقیق عساکر عالم اسلام کے لئے بالعموم اور عساکر پاکستان کے لئے بالخصوص مفید ثابت ہوگی اور دیگر اسلامی ممالک اس کے نتائج سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ مزید تحقیق بھی کر سکیں گے اور یوں عساکر اسلامی میں تحقیق کی نئی راہیں کھلیں گی جس سے باہمی طور پر تمام اسلامی ممالک مستفید ہوں گے نیز امید ہے مستقبل کے محقق کے لئے اس تحقیق کے نتائج پر مزید کام کرنے کی گنجائش موجود ہوگی۔ خاص طور پر دائرہ کار اور حدود عمل میں تحقیق کرنے کے بہت سے پہلو سامنے آئیں گے اور یوں یہ کاوش ایک اہم میدان میں کام کرنے کا ذریعہ بنے گی۔

تحقیقی مقاصد کے حصول کے لئے مصادر:

تحقیقی مقاصد کے لئے ابتدائی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے اسلامی تاریخ اس لحاظ سے بڑی غنی ہے کہ مصادر نہ صرف کثیر تعداد میں میسر ہیں بلکہ پوری طرح مستند ہیں۔ اس لئے زیادہ تر تو اسلامی مصادر کو استعمال میں لایا گیا ہے جس میں قرآن اور حدیث سرفہرست ہیں نیز سیرت کی کتابیں بھی اس ذیل میں آئی ہیں۔ البتہ بعض مواقع پر دیگر مستند تراجم اور جدید مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اکثر عبارات حوالہ جاتی ہیں۔ تاکہ مسلم سپاہ کی دینی اور نظریاتی تربیت کے تسلسل کو تلاش کیا جا سکے۔ دوسری قسم کی عبارات واقعاتی حوالہ جات پر مشتمل ہیں۔ جو معلوماتی افادیت رکھتی ہیں تاکہ مختلف حقائق کا تقابل کیا جا سکے اس لحاظ سے ہماری لائبریریاں جدید اور مختلف النوع کتابوں سے مزین ہیں چونکہ اکثر کتب کی خارجی اور داخلی تنقید پہلے سے مرتب اور مسلم ہے۔ اس لئے یہ ایک گونہ سہولت محقق کو میسر رہی ہے۔ ابتدائی اسلامی مصادر تو عربی زبان میں ہیں لہٰذا متن کو اشارات کی حد تک عربی زبان میں ذکر کیا گیا ہے اور مکمل عبارت کسی مستند اردو مترجم کی نقل کی گئی ہے۔ جہاں تک حقائق کے تقابل کا تعلق ہے اکثر کتب انگریزی زبان میں ہیں ان کتب سے انگریزی میں حوالہ جات لئے گئے ہیں البتہ زیادہ عبارات اردو میں اخذ کی گئی ہیں۔ تاکہ مقالہ کا معتدبہ حصہ اردو زبان میں رہے۔ بہرحال اصل نگاہ ابتدائی مصادر پر رہی ہے۔ البتہ بقدر ضرورت ثانوی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک حقائق کے منطقی تجزیہ کا تعلق ہے۔ باب وار اور جہاں مناسب ہوا فصل وار تجزیہ کیا گیا ہے اور ہر فصل اور باب کے آخر میں اسے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس طرح حقائق کا باہمی تقابل ہر باب کے آخر میں کیا گیا ہے مقالہ کے آخر میں نتائج بحث کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے اور یوں انہیں Synthesise یعنی باہم مربوط کیا گیا ہے نیز نتائج بحث کی روشنی میں ضروری تجاویز دی گئی ہیں۔ اور مزید تحقیق کے لئے نمایاں گوشوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

باب اول

نظریہ، نظریہ اسلام، سپاہ کی نظریاتی اور عسکری تربیت

فصل اول ------- نظریہ کی تاریخ

انسان ایک معاشرتی جانور ہے وہ معاشرے کے اندر ہی پھلتا پھولتا ہے۔ ہم مشرب انسانوں کے ساتھ باہمی تعلقات میں اسے ایک خاص سوچ پر مبنی رویہ اپنانا پڑتا ہے۔ گویا ایک نظریہ اختیار کرنا پڑتا ہے یعنی ایک مخصوص طرز زندگی اور اصول و ضوابط کا پیروکار ہونا پڑتا ہے۔ مثبت سوچ و فکر سے وقتی مفادات اور ذاتی منفعت کے حصول کے ساتھ ساتھ دائمی اور مضبوط علاقات قائم ہوتے ہیں نیز پرامن بقائے باہمی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اس کے برعکس محدود اور منفی سوچ و عقل کی بنیاد پر قائم نظریات سے مفادات کے ٹکراؤ اور باہمی چپقلش کا اندیشہ رہتا ہے۔ تاریخ عالم ایسے کئی نظریات پر محیط ہے۔ اس باب میں نظریہ کی ماہیت نیز اسلامی اور غیر اسلامی نظریات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

آئیڈیالوجی سماجی اور سیاسی فلسفے کی وہ شکل ہے جس میں سیاسی عناصر زیادہ نمایاں ہوتے ہیں یہ ایک ایسے نظام فکر (System of Ideas) کی علامت ہے جس کا مقصد تبدیلی پیدا کرنا ہو۔

لفظ آئیڈیالوجی کو سب سے پہلے انقلاب فرانس کے دوران ایک فرانسیسی مفکر (A.L.C DESTUTT DE TRACY) نے اپنے خیالات کے عنوان کے طور پر استعمال کیا جسے وہ (SAIMEN OF IDEAS) کہتا تھا۔ اس کے بقول اس نے یہ لفظ (JOHN LOCKE) وغیرہ فرانسیسی مفکرین سے مستعار لیا تھا۔ جن کے نزدیک تمام انسانی علوم کی اساس تفکر پر ہے۔ یہ لفظ اس سے بھی پہلے مشہور انگریز مفکر (FRANCIS BACON) کے ہاں ملتا ہے۔ بیکن کا نظریہ یہ تھا کہ سائنس کا مقصد صرف انسانی علوم میں اضافہ ہی نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ زمین پر انسانی زندگی کو کیسے مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ بیکن ہی وہ پہلا شخص ہے

جس نے نظریہ (Ideology) کو اصول (Theory)' نظام (System) اور فلسفے (Philosophy) سے الگ ایک چیز قرار دیا بعد ازاں (Destutt De Tracy) نے اسی خیال کو آگے بڑھایا۔ اس نے (Science of Ideas) کو ایک ایسی سائنس قرار دیا جس کی صورت ایک تحریک کی سی ہو یعنی (Science With Mission) اور جس کا مقصد نہ صرف انسانوں کی خدمت کرنا ہو بلکہ ان کے اذہان کو سطحی خیالات سے نجات دلا کر تعقل کی فرمانروائی قائم کرنا ہو۔[1]

ارسطو کے نزدیک لفظ "نظری" (نظریہ) فلسفہ کی ایک قسم ہے۔ جس کا تعلق مابعد الطبیعات سے ہے۔ جب کہ عملی (عملیتہ) فلسفہ کی دوسری قسم ہے جس کا تعلق انسان کی بھلائی اور فائدے سے ہے نظر بنیادی طور پر عملیات کا ایک تصور ہے۔[2] نفسیات میں بھی نظر کو عقل انسانی کے ایک فعل کی حیثیت سے زیر بحث لایا گیا ہے۔ لیکن اس کے لئے مترادفات مثلاً فکر اور تفکر وغیرہ استعمال کئے گئے ہیں۔ شروع شروع کے علمائے اسلام شاید علم نظری اور عملی کی نسبت علم عقلی اور شرعی کے امتیاز سے زیادہ آشنا تھے۔[2] ابن حزم کے نزدیک عقل مگر بلا شبہ وہ عقل جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ علم کا ایک سرچشمہ ہے۔ اس کے نزدیک ادراک حسی اور وجدان عقلی کے علاوہ حصول ایقان کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ دراصل وہ ادراک حسی کو اس حد تک ترجیح دیتا ہے کہ ادراک عقلی کو اس نے چھٹا ادراک قرار دیا ہے۔[3]

تاریخ فلسفہ کے ماہرین نے انیسویں صدی کو نظریات کا زمانہ (Age of Ideologies) قرار دیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس زمانے میں یہ لفظ بہت زیادہ استعمال کیا گیا بلکہ اس لئے کہ انیسویں صدی میں بہت سے پرانے رائج نظریات کی صداقت کو اس پہلو سے پرکھا گیا۔ جن کو بعد میں نظریاتی (Ideological) کہا گیا اور اب یہ لفظ ایک حد تک متفقہ معنوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں اس لفظ کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس لفظ کی دو تعریفیں کی جاتی ہیں ایک عمومی معنوں میں اور دوسری مخصوص اور محدود انداز میں۔ عموی انداز میں اس لفظ کی تعریف یہ ہے کہ "کسی نظام فکر کی روشنی میں ایسی سیاسی کاوش جس کی ایک واضح سمت متعین ہو" اس کے الفاظ یوں ہیں

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1966، 382/22

[2] John Warrington, Aristotle Metaphysics, Every Man's Library, New York, 1978, p:51.53

و ارسطو، مابعد الطبیعات، مکتبہ نول کشور، لکھنؤ، الہند، 1380ھ، ص: 1064

[3] ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل، دار المعرفۃ للطباعہ والنشر، بیروت 1975، 1/4-7

"*Ideology may mean any kind of action-oriented theory to approach politics in the light of a system of ideas.*"[1]

محدود معنوں میں اس لفظ کی تعریف پانچ خصوصیات کے تحت کی گئی ہے۔

الف۔ یہ انسانی تجربات اور خارجی دنیا کے متعلق ایک واضح اصول کی بنیاد پر پیش کی جاتی ہے۔

ب۔ یہ کسی سماجی یا سیاسی تنظیم کے متعلق عام یا پیچیدہ صورت میں ایک لائحہ عمل مہیا کرتی ہے۔

ج۔ اور اس لائحہ عمل کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے جدوجہد کی متقاضی ہوتی ہے۔

د۔ اور اس جدوجہد کے لئے یہ اپنے وفادار وابستگان سے مخلصانہ اور بے لوث عہد کا مطالبہ کرتی ہے۔

ھ۔ اس کا خطاب عام لوگوں کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ قوم کے دانشور طبقے سے ہوتا ہے۔

ایک اور حوالہ جاتی ماخذ میں لفظ آئیڈیالوجی کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"ایسے سیاسی اور سماجی اصولوں کا مجموعہ جن پر کسی اقلیت یا ثقافت کی بنیاد ہوتی ہے۔ آئیڈیالوجی کسی قوم یا ثقافت کے فطری نشوونما کے عمل میں مدغم بھی ہو سکتی ہے اور اسے عوام پر بزور یا نشرواشاعت کے ذریعے بھی مسلط کیا جا سکتا ہے۔" اس کے الفاظ یہ ہیں۔

The sum of social or political philosophies upon which a community or culture is based. Ideology may be absorbed in a process of growth in a nation or culture or it may be imposed upon the people forcibly or by propaganda.[2]

1- نظریہ اور مذاہب عالم:

بعض اوقات نظریات کے بارے میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی مذاہب کی طرح کسی منطقی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ دونوں یقینی طور پر مکمل لائحہ عمل ہوتے ہیں۔ جن کا تعلق حقائق اور آپس کے میل جول پر ہوتا ہے

---

[1] Encyclopaedia Britannica 15th Edition 1986, 6/241

[2] ----Do---- 20/828

لیکن مذہب اور نظریہ کے مابین کئی قابل ذکر فرق بھی ہیں۔ نظریہ کی بنیاد ایسے امور پر ہوتی ہے جن کا تعلق بعض اوقات صرف اس دنیا سے محسوس ہوتا ہے۔ لیکن مذہب کا حقیقی تعلق عقائد، عبادات، شفاعت، تزکیہ نفس انسانی وغیرہ سے ہوتا ہے۔ مذہب ایک اچھے معاشرے کو بصیرت عطا کرتا ہے۔ اسلام فرد کی زندگی کے داخلی و خارجی ہر پہلو پر محیط ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات (A Complete Code of Life) ہے۔ اس میں سیاسی، سماجی، معاشرتی، اقتصادی، تنظیمی وغیرہ تمام امور پر واضح راہنمائی و ہدایت موجود ہے۔ مذہبی عقائد انسان بچپن ہی سے اپنا لیتا ہے۔ جبکہ نظریات کسی گروہ، قوم یا طبقے کو مخاطب کرتے ہیں اور ان کی بقا کا انحصار ان کی معقولیت اور حقانیت پر ہوتا ہے۔ البتہ مذہب اور نظریہ دونوں ہی اپنے ماننے والوں سے عہد و وفا کے متقاضی ہوتے ہیں۔

الہامی مذاہب کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان مذاہب نے نظریہ کی مختلف جہات یعنی فلسفہ کی مابعد الطبیعات و نفسیات کے تفکر اور منطق کے تبحر قلب کو ایک جامع لفظ عقیدہ میں جمع کر دیا مزید یہ کہ اخلاص کو عقیدہ اور اطاعت کو عبادات کی شکل میں یکجا کر کے اسے پوری زندگی پر محیط کر دیا اور یوں فکر و عمل کو ایمان اور اعمال صالحہ کی شکل دے دی۔ مزید بر آں یہ کہ الہامی مذاہب نے ایمان و اعمال صالحہ کو انسان کی اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ساری انسانیت کی امانت گردانا اور بنی نوع انسان کو اس سے روشناس کرانا بھی اپنے پیروکاروں کے لئے لازمی قرار دیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ابن آدم کی اکثریت مذاہب کی پیروکار رہی ہے۔ اس طرح مذاہب یا نظریہ کی بقا کے لئے جنگ کا جواز موجود رہا ہے۔ مسئلہ جنگ کے لحاظ سے اسلام سے پہلے چار بڑے مذاہب یعنی ہندو مت اور بدھ مت، یہودیت اور مسیحیت دو فریقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک فریق جس نے جنگ کو جائز رکھا ہے۔ اس میں ہندو مت اور یہودیت شامل ہیں۔ دوسرا فریق وہ ہے جس نے جنگ کو جائز نہیں رکھا۔ یہ بدھ مت اور مسیحیت پر مشتمل ہے۔

الہامی مذاہب میں سے اسلام اور یہودیت ہی دو ایسے مذاہب ہیں جن میں حق کی بالادستی کے لئے جنگ کو بطور آخری ہتھیار استعمال کرنے کا حکم ہے۔ عیسائیت میں جنگ کا تصور مفقود ہے۔ باقی مذاہب و نظریات میں جنگ محدود اور بعض اوقات مخصوص مقاصد کے لئے لڑی جاتی ہے۔ نظریہ اسلام اور مسلم سپاہ کی نظریاتی تربیت کی تفاصیل میں جانے سے قبل تصوراتی اعتبار سے مختلف مذاہب اور نظریات کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

2- غیر مسلم اقوام کا نظریہ حیات:

الف- اہل یونان کا نظریہ حیات:

اہل یونان کا مجموعی نظریہ حیات طاقت کے بل بوتے پر پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنا تھا اسکندر اعظم کی قیادت میں یونانی قوم نے اپنے اس مقصد حیات کو حاصل کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ یوں تو علمی و نظریاتی حیثیت سے محاربین کے حقوق و فرائض کا ایک نہایت ابتدائی تصور زمانہ قدیم سے دنیا میں موجود تھا۔ قدیم یونان کے مقننوں نے یہ قاعدہ بنایا تھا کہ جنگ میں جو لوگ مارے جائیں ان کو دفن کرنا چاہیے۔ مفتوح شہر کے جو لوگ معابد میں پناہ لیں انہیں قتل نہ کرنا اور کھلاڑی یا معابد کے خادموں پر کوئی تعرض نہ کرنا چاہیے۔ لیکن عملی حیثیت سے یونانیوں نے کبھی ان کو قانون کے طور پر نہ تو قبول کیا اور نہ ان کی پابندی کی۔ اس زمانے میں جنگ کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ ایک ہنگامہ قتل و خون اور فتنہ سلب و نہب تھا جو طاقتور کی ہر خواہش اور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے برپا کیا جا سکتا تھا۔ شقاوت و سنگ دلی، وحشت و بربریت درندگی و سفاکی جنگ کی حقیقت میں داخل ہو گئی تھی۔ لفظ جنگ بولتے ہی آدمی کا ذہن ایک ایسی چیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جو اپنے اندر انسان کی جان لینے اور اس کی آبادیوں کو غارت کرنے کے ہر طریقے کو متضمن تھی۔

یونان کے نظریہ جنگ کے بارے میں ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نے اپنی کتاب آثار الحرب میں یہ عبارت نقل کی ہے:

"کان الیونان یعتبرون انفسهم عنصرا ممتازا وشعبا فوق الشعوب الاخری من حقه الاخضاع هذه الشعوب والسیطره علیها ومن هنا کانت علاقاتهم بهذه الشعوب تحکمیه لا ضابطه لها و کانت فی الغالب علاقات علائیه و حروبا مشویه بالقسو : لا تخضع لای قواعد ولا تراعی فیها ایه اعتبارات انسانیه"[1] یعنی یونانی اپنے آپ کو اعلیٰ و ممتاز نسل کی حیثیت دیتے تھے اور تمام قوموں پر تسلط برقرار رکھنے کے لئے ان کو ذلیل و رسوا کرتے تھے اس لئے دیگر قوموں کے ساتھ نہایت ذلت آمیز رویہ اختیار کرتے تھے اور تحکمانہ لہجہ جس میں کسی قانون کا عمل دخل نہ ہو، برتتے تھے اور اکثر حالات میں ظلم و تعدی ان

---

[1] الدکتور وھبہ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص: 41 - 42
و ابو صیف، القانون الدولی، دار مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص: 62
و مصطفیٰ صبری، تحفہ الانام فی التاریخ العالم، دار مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص: 64

کا شعار تھا اور دوسری قوموں پر ایسی وحشیانہ جنگیں مسلط کرتے تھے جنہیں نہ تو قوانین کا اعتبار تھا اور نہ انسانیت کا۔

ب۔ ہنود کا نظریہ حیات:

ہندوؤں کے ہاں نظریاتی اعتبار سے کوئی مرکزی عقیدہ نہیں ملتا البتہ چند مخصوص کتابوں کو انہوں نے اپنے نظریہ حیات کی اساس بنالیا ہے۔ یونانیوں کی طرح ہندوؤں کے ہاں بھی اپنی بقا کے لئے ہر وقت اپنے دشمن سے بر سرپیکار رہنا اور اسے نیچا دکھانا ہی مقصد حیات ہے۔

ہندوؤں کی مقدس کتاب گیتا، وید اور منوسمرتی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندو مذہب میں جنگ کی کوئی اخلاقی غرض و غایت موجود نہیں بلکہ مال و دولت کا لالچ، قتل و غارت گری اور ہوس ملک گیری کے لئے جنگ کا وجود ہندو قوم کے اندر جاری و ساری ہے۔ ان کتابوں کے اندر جہاں کہیں جنگ کے اصول بیان ہوئے ہیں ان میں ہندو مذہب کے ماننے والے افراد کو غیرہندوؤں پر مظالم ڈھانے، سخت انتقام لینے، مال مویشی تباہ کرنے اور دشمن کا نام و نشان تک مٹا دینے کا حکم ملتا ہے۔ ہندو مذہب کے مطابق دشمن کے خلاف بر سرپیکار ہونے یا اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے جنگ کرنا کوئی مذہبی فریضہ نہیں۔ لیکن اگر دشمن سے واسطہ پڑے تو بغیر کسی عالی مقصد کے حصول کے دشمن کے ساتھ جو بھی انسانی سلوک کیا جائے وہ روا ہے۔ چنانچہ رگ وید کے باب 1، 2 اور 4 میں یوں درج ہے:

"اے اندر! ہم کو دولت دے جو دشمن کو جنگ میں اس طرح مغلوب کرے جس طرح آسمان زمین پر غالب ہوا ہے۔ ہمیں ایسی دولت دے جو ہزاروں کا مال لانے کا سبب بنتی ہے جو زرخیز زمینیں فتح کرتی ہے اور جو دشمن کو شکست دیتی ہے۔"[1] دوسری جگہ یوں مذکور ہے کہ

"اے اندر! جب میدان جنگ گرم ہو تو ہمارے دشمنوں کو، ان فانی لوگوں کو، جو ہماری ہجو کرتے ہیں ہلاک کر دے۔ بدگوؤں کی بددعائیں ہم سے دور رکھ ہمارے پاس مال و دولت کے جمع کئے ہوئے خزانے ہوں۔ ہمارے فانی حریفوں کے ہتھیار توڑ دے۔ ہمیں عظیم الشان شہرت اور مال و دولت عطا کر؟ ہمارے حریفوں کو آسانی کے ساتھ مغلوب ہو جانے والا بنا دے۔"[2]

---

[1] رگ وید 1:20:6

[2] رگ وید 7:25:2-3-5-6

ج۔ یہود کا نظریہ حیات:

یہودی مذہب کی تعلیم اور اس کے احکام و قوانین کو معلوم کرنے کے لئے ہم تورات پر انحصار کر سکتے ہیں۔ اس میں یہودیت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ متاخرین علمائے یہود نے شریعت یہود کے قوانین مرتب کرنے کے لئے بہت سی کتابیں لکھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو یہودیوں کے تمام فرقوں میں متفق علیہ ہو۔ ان سب کتابوں بالخصوص تورات سے عمومی طور پر یہود کا نظریہ حیات یہی مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باقی تمام اقوام پر فضیلت عطا کی ہے اور انہوں نے اپنے سوا تمام اقوام پر جنگ کے ذریعے اپنا تسلط حاصل کرنا ہے لہٰذا باقی تمام کتابوں کو نظرانداز کر کے مسئلہ جنگ میں صرف تورات کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے۔

یہودیوں کی مقدس کتاب تورات میں جو تحریف کا شکار ہے، نہایت کثرت سے لڑائیوں کا ذکر آیا ہے۔ اور جگہ جگہ جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ یہودیوں کا موجودہ نظریہ جنگ ہندوؤں سے ملتا جلتا ہے۔ تورات میں سوائے ایک مقصد کے اور کسی مقصد کا نشان ہم کو نہیں ملتا۔ یہ مقصد کتاب اعداد میں اس طرح بیان کیا گیا ہے "اور خداوند نے مواب کے میدانوں میں یردن کے کنارے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا۔ بنی اسرائیل کو خطاب کر اور انہیں کہہ جب تم یردن سے پار ہو کر زمین کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں اپنے سامنے سے بھگاؤ ان کی مورتیں فنا کر دو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ دو ---- کیونکہ میں نے وہ سرزمین تم کو دی ہے کہ اس کے مالک بنو۔"[۱]

اس قسم کی دیگر عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی جنگ کا مقصد ملک گیری ہے۔ ایک ملک کے باشندوں کو تلوار کے زور سے مغلوب کرنا اور قوت کے حق کی بنا پر ان کے اموال و املاک اور خود ان کی جانوں کو اپنے قبضہ میں لے لینا اس کی نگاہ میں جائز ہے ور اس کے نزدیک یہی قہر و تسلط اس وراثت ارضی کا مفہوم ہے۔ جس کے عطا کرنے کا خدا نے بنی اسرائیل سے یوں وعدہ کیا ہے: "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون"[۲]

یعنی "زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔"

۱۔ العہد القدیم، کتاب اعداد، باب استثنا 33: 50 - 54

۲۔ القرآن - 21: 105

لیکن اس وراثت کا تخیل تورات کے تخیل سے بالکل مختلف ہے۔ تورات زمین کی وراثت صرف بنی اسرائیل کو دیتی ہے۔ جیسا کہ "اعداد" سے صاف ظاہر ہے۔ تورات میں وراثت ارضی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کے گھر بار ملک و اموال اور جان و آبرو کی مالک بن جائے اور اس کو فنا کر کے خود اس کی جگہ ہے۔[51] مگر قرآن میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی قوم کو وراثت ارضی دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس قوم کو صالح ہونے کی بنا پر اپنی خلافت و نیابت کے لئے چن لیا اور اپنی زمین کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ تاکہ وہ ظلم و جور کو مٹا کر اس کی جگہ عدل و انصاف کا نظام کرے۔ پھر تورات میں میراث زمین حاصل کرنے کے لئے جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر قرآن میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ فلاں ملک تمہاری قومی میراث ہے۔ لہٰذا تم اسے لڑ کر فتح کرو۔ پس تورات کی وراثت ارضی کھلی کھلی ملک گیری ہے۔[52]

صاحب الملل والنحل نے یہودیت کے بارے میں یہ عبارت نقل کی ہے: "الیهود تدعی ان الشریعة لا تکون الا واحدة وهی ابتدأت بموسی و تمت به"[53] گویا یہود کی شریعت ہی پہلی اور آخری شریعت ہے۔ الیھودیہ کے بارے میں الدکتور ہرتس یوں رقمطراز ہیں۔ "وفی سبیل نشر الیهودیة تدعون انفسهم انهم شعب اللّٰه المختار الذی اختاره اللّٰه خادما ورسمه لا علان حقائقه فی اُسرا لانسانیة و نشر الیهودیة رغم ما یلحقهم من امتهان و استخفاف فی سبیل الرسالة الالٰهیة"[54] یعنی صرف یہود کو ہی اللہ نے اپنی ذات کے تعارف کے لئے اور یہودیت کے پھیلانے کے لئے چنا ہے۔" یہودیت میں مذہب، قوم پرستی کے ساتھ اس قدر خلط ملط ہو چکا ہے کہ ان دونوں کے درمیان بمشکل امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ کوئی یہودی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نوع انسانی کی راہنمائی کے لئے اس کے نازل کردہ پیغام پر ایمان رکھنے اور اس کی پیروی کو تقاضائے ایمان سمجھنے کی بنا پر یہودی نہیں ہوتا بلکہ وہ اس لئے یہودی ہے کہ یہودی ماں باپ کے گھر پیدا ہوا ہے۔ اب چاہے وہ کھلے بندوں ملحد بن جائے۔ اپنے یہودی بھائیوں کی نظر میں یہودی ہی رہے گا۔[55]

---

[51] العھد القدیم، کتاب الاعداد، باب استثنا 33:50

[52] مودودی، ابوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص: 383، 384

[53] الشہرستانی، الامام ابوالفتح محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل، دارالمعرفۃ المطبعۃ الادبیہ، مصر، 1317ھ

[54] الدکتور ج۔ ھ ہرتس، فی الفکر الیہودی، الحاخام الاکبر لانجلترا طوریہ بریطانیہ، دار مجلتی للطبع والنشر، بیروت، ص: 27

[55] Maryam Jameelah, Islam in Theory and Practice, Muhammad Yusuf Khan and Sons, Lahore, 1986 P . 8

یہودیت کے مقابلے میں اسلام نے اپنے پیروکاروں کے لئے کسی نسل یا حسب و نسب کی پابندی یا قید نہیں لگائی بلکہ بغیر کسی رنگ و نسل اور زبان کی تمیز کے، ہدایت کے سرچشمہ سے انسانیت فیض یاب ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا: یاایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا لأحمر علیٰ أسود ولا لأسود علیٰ أحمر الا بالتقویٰ[51] یعنی اے لوگو تم سب کا رب ایک ہے اور بے شک تم سب کا باپ ایک ہے۔ خبردار سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر برتری ہے اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری نہیں نہ ہی کسی کالے کو کسی گورے پر برتری ہے سوائے تقویٰ کے۔"

د۔ نصاریٰ کا نظریہ حیات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات زیادہ تر اخلاق کی درستگی پر مشتمل تھیں جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش کے وقت یہود اخلاقی پستیوں میں گرے ہوئے تھے۔ اخلاقی گراوٹ کی انتہا تھی، ظلم و ستم کا دور دورہ تھا اور خود یہودیت افراط و تفریط کا شکار تھی۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ ؑ نے یہود کی اخلاقی درستگی کو اہمیت دی۔ امن سے رہنے اور محبت سے برتاؤ کی تعلیم دی۔ چنانچہ پہاڑی کا وعظ "جس پر مسیحیت کے اخلاق کی بنیاد استوار ہوتی ہے" میں یہاں تک فرمایا۔ انجیل متی کے الفاظ یوں ہیں: "من لطمك علی خدك الأیمن فحول له الأخر ومن اراد ان یخاصمك ویاخذ ثوبك فاترك له الرداء ایضا" یعنی "اگر تمہیں کوئی داہنے گال پر تھپڑ لگائے تو بایاں بھی اس کی طرف پھیر دو اور اگر کوئی تم پر نالش کر کے تمہارا کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اس لینے دو۔"[52]

ان تعلیمات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کے نزدیک جنگ کا کوئی تصور موجود نہیں اور ظلم و استبداد کے استحصال کے لئے قوت و طاقت کا استعمال ممنوع ہے بلکہ شریروں اور معذوروں کے سامنے اپنے حقوق سے

---

[51] ابن الجوزی، امام عبدالرحمٰن، الوفا باحوال المصطفیٰ، فرید بک سٹال، لاہور، ص: 577
و شبلی نعمانی، سیرت النبی ؐ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1979ء، 155/2

[52] متی 5:38-44 و ابوالاعلیٰ مودودی: الجہاد فی الاسلام، اسلامک پبلی کیشنز، کراچی، 1962ء، ص: 360

خود بخود دستبردار ہونا عیسائیت کے فلسفہ اخلاق پر عمل پیرا ہونا ہے۔ مگر اس کے برعکس جب بھی کبھی موقع ہاتھ آیا عیسائیت کے پیروکار مسیحی تعلیم کا دامن تھامنے سے قاصر رہے اور عملی طور پر انہوں نے مخالفین سے غیر انسانی سلوک روا رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جس کی مثالیں صلیبی جنگوں اور جنگ عظیم اول و دوم میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔[۵۱]

3- مختلف نظریہ ہائے حیات کا باہمی تقابل:

اہل یونان طاقت کے بل بوتے پر پوری دنیا پر تسلط قائم کرنے کا جذبہ رکھتے تھے نیز قومی تعصب کی وجہ سے دوسری اقوام کے ساتھ ذلت آمیز سلوک اور ظلم و تعدی پر مبنی وحشیانہ طرز زندگی کے تصور پر عمل پیرا تھے۔

ہنود اپنی بقا کے لئے دشمن کے ساتھ ہر وقت بر سرپیکار رہتے اور اسے نیچا دکھانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں نیز مال و دولت کا لالچ، قتل و غارت گری اور ہوس ملک گیری کے لئے مسلسل جنگ کے تصور کو اپنائے ہوئے ہیں۔

یہود باقی اقوام پر اپنی فضیلت کا تصور رکھتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ یہود کی شریعت ہی پہلی اور آخری شریعت ہے اقوام عالم پر جنگ کے ذریعے اپنا تسلط قائم کرنے اور قوت کے بل پر ان کے اموال و املاک کو اپنے قبضے میں لینے کے تصور پر قائم ہیں۔

نصاریٰ کے ہاں امن کا تصور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کی اخلاقی درستگی کو اہمیت دی اور انہیں محبت سے برتاؤ کی تعلیم دی نیز ظلم و استبداد کے استحصال کے لئے قوت و طاقت کے استعمال کو ممنوع قرار دیا اگرچہ عیسائیوں نے عملی زندگی میں اس کے برعکس رویہ اختیار کیا۔

اسلام نے اہل یونان اور ہنود کے مقابلہ میں ظلم و تعدی اور قتل و غارت گری کے مقابلہ میں عدل و انصاف اور امن و بقائے باہمی کی تعلیم دی ہے۔ اس طرح یہود کے مقابلہ میں اسلام نے پیروکاروں کے لئے کسی نسل یا حسب و نسب کی پابندی کے بغیر ہدایت کے سرچشمہ سے فیض یاب ہونے کی سہولت مہیا کی۔

---

[۵۱] دائرۃ المعارف العربیہ، بیروت، 1900ء، 574/6

اسی طرح عیسائیت کی محض اخلاقی تعلیمات کے مقابلہ میں زندگی گزارنے کا پورا نظام دیا جس کے تحت جہاں عمدہ اخلاق اختیار کرنے اور حتی الامکان عفو و درگزر اختیار کرنے کی تعلیمات دیں وہاں نازیبا حرکات و اعمال کو بزور ختم کرنے کا حکم دیا نیز ظلم و استبداد کے استحصال کے لئے قوت و طاقت کے استعمال کو جائز قرار دے کر ایک متوازن اور پائیدار نظام زندگی ترتیب دیا۔

فصل دوم - نظریہ اسلام

مذاہب عالم کے نظریاتی تصورات کے اجمالی خاکہ کے بعد دین اسلام اور نظریہ اسلام پر سیر حاصل بحث شروع کی جاتی ہے۔

1- اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معانی

اصحاب اللغہ کے نزدیک لغوی معنی یہ ہیں کہ لفظ اسلام مادہ "س ل م" سے ہے اور باب افعال سے ہے۔ سلم کے مندرجہ ذیل لغوی معانی قابل ذکر ہیں :

الف۔ ظاہری اور باطنی آلائشوں (آفات) اور عیوب سے پاک (خالص و محفوظ) ہونا۔

ب۔ صلح و امن

ج۔ سلامتی

د۔ اطاعت و فرمانبرداری

لہٰذا اسلام کے ایک معنی ہیں عبادت یعنی دین اور عقیدے کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنا۔[1] نیز اس کے معنی استسلام، انقیاد، اطاعت و فرمانبرداری کے بھی ہیں۔[2] اسی طرح اصطلاحی معنی اس طرح سے ہیں "الإسلام" : الدخول فی السلم الإسلام والإستسلام : الإنقیاد والإسلام من الشریعة، اظهار الخضوع و اظهار الشریعة والتزام لما أتى به النبى ﷺ و بذلك يحقن الدم و يستدفع المكروه[3]

---

[1] الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد، المفردات، کتاب السین، اہلحدیث اکادمی، لاہور، ص: 492

[2] الیاس انطون الیاس، القاموس العصری، کتاب السین، المطبعة العصریة، القاہرة، 1962ء، ص: 313

[3] الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن المفضل، المفردات، کتاب السین، اہل حدیث اکادمی، لاہور، 1971ء، ص: 241

یعنی اسلام کا اصطلاحی شرعی مفہوم اظہار اطاعت و تسلیم، اظہار شریعت اور نبی اکرم ﷺ کی سنت سے تمسک ہے۔

تاج العروس میں یوں ہے :

"والسلم مثل السلام والاسلام والمراد معنا الاستسلام والانقیاد"[1]

یعنی اور سلم، سلام اور اسلام ہم معنی ہیں اور یہاں اس سے مراد انقیاد و اطاعت ہے۔" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"والقوا الیکم السلم"[2] کہ "تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں"۔ یہاں سلم بمعنی اطاعت ہے۔ اس طرح عربی کے ایک مشہور شاعر کا شعر ہے:

فلست مبدلا باللّٰہ ربا   ولا مستبدلا بالسلم دینا[3]

یعنی "میں نہ تو اللہ کی بجائے کسی اور کو اپنا رب بناؤں گا اور نہ سلم یعنی اسلام کو کسی اور دین سے بدلوں گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے :

"لا یطھر اللّٰہ قلب عبد حتٰی یسلم لنا ویکون سلمالنا"[4]

"اللہ تعالیٰ کسی بندے کا دل اس وقت تک پاک نہیں کرتا جب تک کہ ہمارا تابع فرماں نہ ہو جائے اور ہم سے مل کر (موافقت سے) نہ رہے۔" ایک حدیث میں ہے "اسلم تسلم"[5] یعنی اسلام لا۔ تو تباہی سے بچ جائے گا۔ گویا اسلام سلامتی کا پیامبر ہے اور اسے قبول کرنے والا سلامتی میں آجاتا ہے۔

2- اسلام، ایمان اور دین کا باہمی تعلق

امام رازی - "ان الدین عنداللّٰہ الاسلام"[6] کے ذیل میں چار معنی بیان کرتے ہیں :

---

[1] سید محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواہر القاموس، 337/8

[2] القرآن - 90:4

[3] ابن منظور، محمد ابن مکرم المصری الافریقی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1980ء، 185/15

[4] وحید الزمان خان علامہ، لغات الحدیث، آرام باغ، کراچی، 1965ء، 144/3-

[5] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، دہلی، 1938ء، 5/1

[6] القرآن - 19:3

الف- الاسلام هو الدخول فی الاسلام ای فی الانقیاد والمتابعۃ یعنی "اسلام کے معنی اطاعت و فرمانبرداری میں داخل ہو جانا ہے۔"

ب- "الاسلام معناہ اخلاص الدین والعقیدۃ --- والمسلم ای المخلص للہ عبادتہ" یعنی "اسلام کے معنی دین اور عقیدے کا خالص کرنا ہے ----- اور مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرتا ہے"

ج- فی عرف الشرع فالاسلام ھو الایمان
یعنی "عرف شرعی میں ایمان کا دوسرا نام اسلام ہے"۔

د- الاسلام عبارۃ عن الانقیاد یعنی "اسلام کا مطلب فرماں برداری اور اطاعت ہے۔"[1]

گویا اسلام کے معنی اطاعت و فرمانبرداری میں داخل ہونا، اپنے دین، عقیدے اور عبادات کو اللہ کے لئے خالص کرنا ہے۔ یعنی اسلام ایمان کا دوسرا نام ہے اور اس کا مطلب فرمانبرداری اور اطاعت ہے نیز اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

اسی طرح دین کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

الف- دین بمعنی اطاعت - جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :

ولہ ما فی السمٰوٰت والارض ولہ الدین واصبا[2]

"اس کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کی اطاعت ہمیشہ لازم ہے۔" امام راغب نے لفظ دین کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے "الدین" کے معنی اطاعت اور جزا کے آتے ہیں اور بطور استعارہ دین بمعنی شریعت بھی آتا ہے

ب- دین بمعنی جزا و سزا - جیسا کہ ارشاد ہے :

انما توعدون لصادق ٥ و ان الدین لواقع[3]

"کسی چیز کی تمہیں دھمکی سنائی جا رہی ہے وہ سچ ہے اور جزا و سزا ہو کر رہے گی۔"

---

[1] الرازی، فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر، التفسیر الکبیر، الطبع الثانیہ، دار الکتب العلمیہ، تہران : 2/ 668
و اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور، 1966ء، 7/ 209

[2] القرآن - 52:16

[3] القرآن - 51:5، 6

ج- دین اسلام بطور اتمام نعمت - قرآن یوں گویا ہے :

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا[1]

"آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کر لیا۔"

3- نظریہ اسلام - خطاب حبشہ کی روشنی میں :

مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کے لئے قریش مکہ نے نجاشی کو درخواست پیش کی کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالہ کر دیئے جائیں- درباریوں نے بھی تائید کی- نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا "تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے؟"

حضرت جعفرؓ نے اس موقع پر جو خطاب کیا وہ نظریہ اسلام کے بنیادی خدوخال کی عکاسی کرتا ہے- آپؓ نے فرمایا-

ایھا الملک! کنا قوما اھل جاھلیۃ نعبد الاصنام --- حتی بعث اللہ الینا رسولا منا نعرف نسبہ ---- فدعانا الی اللہ عزوجل لنوحدہ ---- و امرنا بصدق الحدیث --- واقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ ---- فصدقناہ ----- فعدا علینا قومنا فعذبونا و فتنونا عن دیننا لیردونا الی عبادۃ الاوثان من عبادۃ اللہ عزوجل[2]

اس جامع خطاب کا ترجمہ یوں ہے :

اے بادشاہ سلامت! ہم لوگ جاہل قوم تھے- بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے- ہمسائیوں کو ستاتے تھے- بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزور کو کھا جاتے تھے اس اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا- اس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں- ہمسائیوں کو آرام دیں،

---

[1] القرآن - 3:5

[2] السہیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ، الروض الانف للسیرۃ النبویہ لابن ہشام، المکتبۃ الفاروقیہ، ملتان، 1977ء، ص: 213

عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، "ہم اس پر ایمان لے آئے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس جرم میں ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، ہمیں تکالیف دیں اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم اللہ عزوجل کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی طرف اور اس گمراہی میں واپس آجائیں۔ "گویا ایمان اور اعمال صالحہ پر مبنی زندگی ہی نظریہ اسلام کی عکاسی کرتی ہے۔

اس گمراہی میں واپس آجائیں۔"

4۔ نظریہ اسلام کا مقصود :

نظریہ اسلام کی بہترین تعبیر وہ جواب ہے جو حضرت ربعیؓ بن عامر نے رستم ایرانی فوج کے سپہ سالار کو دیا تھا۔

"فقالوا له ماجاء بكم۔ فقال الله ابعثنا لنخرج من شاء من عباد؛ العباد الى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها و من جور الاديان الى عدل الاسلام"[1]

لوگوں نے پوچھا تمہاری آنے کی غرض کیا ہے؟ حضرت ربعیؓ بن عامر نے جواب دیا کہ "ہم کو اللہ نے اس لئے بھیجا ہے کہ جس کے بارے میں اس کی مرضی ہو، اس کو بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر اللہ کی بندگی میں داخل کر دیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہنچادیں اور مذاہب کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل کے سایہ تلے لے آئیں۔"[2]

اسلام کا دنیا میں آنے کا مقصد سید قطب شہید کے نزدیک کچھ یوں ہے :

"اس دنیا میں اسلام کے آنے کا مقصد دراصل یہ تھا کہ پورے عالم انسانیت کو گمراہی کے ان گھنے بادلوں سے نجات دلائے، جنہوں نے انسانوں کے افکار اور زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے کر گراں بار بنا رکھا ہے۔ اور انسانیت کو ایک ایسا مخصوص، منفرد اور ممتاز نظریہ دے اور ایک ایسی نئی زندگی عطا کرے جو اللہ کے بتائے ہوئے حکم اور مستقیم مفہوم کے مطابق جاری و ساری رہے"[3] اسی طرح پاکستان کی نومسلم سکالر محترمہ مریم جمیلہ صاحبہ نے نظریہ اسلام کی یوں وضاحت کی ہے کہ "اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ تصور ہے کہ انسان اللہ کا بندہ ہے عربی میں اللہ کے بندے کو "عبداللہ"

---

[1] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، 1984ء، 39/7

[2] ابو الحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: 120

[3] سید قطب شہید، اسلامی نظریہ کی خصوصیات اور اصول، اسلامک بک پبلشرز، کویت، 1981ء، ص: 5

۱۳۵۲۵

کہتے ہیں۔ اسلام کے حقیقی معنی ہیں "اللہ کی مرضی کے آگے جھک جانا" وہ سب لوگ جو اللہ کی اطاعت و رضا کی اس زندگی کو اختیار کرتے ہیں، مسلمان کہلاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے نزدیک انسان کے کسی فعل کا دارومدار اس کے عقائد پر ہے۔ کیونکہ فوق الفطرت دینی بنیادوں کے بغیر وہ حسن عمل اور اخلاقیات کے وجود کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ [1]

گویا اسلام اپنے پیرو کاروں کے لئے اطاعت کا ایک مکمل ضابطہ متعین کرتا ہے۔ جس کی واضح حدود و قیود قرآن و سنت میں وضع کر دی گئی ہیں۔ جس پر عمل کر کے عالم میں امن و سلامتی کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ :

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام سے مراد اپنے خالق و مالک کی کامل اور مکمل اطاعت و انقیاد یعنی Complete Submission ہے گویا کہ مسلمان اپنے آقا و مولا کے حضور میں سر تسلیم خم کئے ہوئے اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے مستعد کھڑا ہے۔ نیز اسے ایک مامون اور سلامت روی کا راستہ مل گیا ہے اور وہ مادی زندگی کو بھی ان زریں اصولوں کی روشنی میں بسر کر کے اپنی منزل سے ہم کنار ہو سکے گا۔ اسی راستہ کو اختیار کرنے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن واتبع ملة ابراهيم حنيفا [2]

"اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا اور وہ نیکو کار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیروکار ہے۔ جو یکسر مسلمان ہے"

5 ۔ اسلامی نظریہ حیات کی دو بڑی خصوصیات :

الف۔ توحید :

اسلام جو معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے۔ اس کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ الوہیت (خدائی) اور عبودیت (بندگی) دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔ اسلامی نظریہ کا پہلا ضابطہ اور اصول توحید ہے۔ تمام ادیان سابقہ کا یہی اصول و ضابطہ رہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

---

[1] مریم جمیلہ، اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، مکتبہ یوسفیہ، لاہور، 1986ء، ص: 34

[2] القرآن - 125:4

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون [1]

"ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے پس تم لوگ میری بندگی کرو" سید قطب شہید نے اس آیت کے ذیل میں یہی نتیجہ نکالا ہے کہ "اسلامی نظریہ اس ضابطہ کے ذریعے درحقیقت انسانوں کو بندوں کی عبادت اور غلامی سے نجات دلا کر اللہ وحدہ کی عبادت اور بندگی کی دعوت دیتا ہے۔ [2] گویا اسلام نے نیا نظریہ دیا جس کی پہلی بنیاد توحید پر رکھی اور نظریہ شرک کا ابطال کیا۔ وحدانیت پر مضبوط ایمان کی بنیاد پر مابعد افکار و تصورات سیدھے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسلام کے نظریہ توحید نے دیگر تمام مروجہ نظریات کو بشمول شرک رد کر دیا اور ایک عالم کا عالم توحید باری تعالیٰ کی طرف کھنچا چلا آیا۔ نئے نظریہ کو قبول کرنے والوں میں مشرک، یہودی، عیسائی اور مجوسی ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔

ادیان عالم کا تقابلی مطالعہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ اسلام جامع اور وسیع نظریہ پیش کرتا ہے جو حیات انسانی کے تمام گوشوں پر محیط ہے اور کائنات کے تمام شعبہ جات کو رشد و ہدایت فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد فطرت پر ہے۔ فطرت سلیمہ ایک سے زائد آقا کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ اس سے ہیجان اور بے یقینی کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ اس کی بہترین مثال حضرت یوسف علیہ السلام اور قیدیوں کا مکالمہ ہے۔ جسے علامہ ابن کثیر نے یوں نقل کیا ہے :

ثم ان یوسف علیہ السلام اقبل علی الفتیین بالمخاطبة والدعاء لهما الی عباد : اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و خلع ما سواہ من الاوثان التی یعبدھا قومھما" [3] فقال "ء ارباب متفرقون خیر أم اللّٰہ الواحد القهار" [4] یعنی اس حقیقت کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی ساتھیوں پر آشکار کرنے کی کوشش کی اور اسی بنیاد پر انہیں توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ "مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں ان سے لو لگانا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف و قبضہ حاصل ہے" یعنی خود سوچو کہ سر عبودیت ان میں سے کس کے سامنے جھکایا جائے۔ [5]

---

[1] القرآن - 25:21

[2] سید قطب شہید، اسلامی نظریہ کی خصوصیات اور اصول، اسلامک بک پبلشرز، کویت، 1981ء، ص: 369

[3] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفة للطباعة والنشر، بیروت، 1984ء، 497/2

[4] القرآن - 39:12

[5] شبیر احمد، تفسیر عثمانی، مجمع الملک فہد لطباعة المصحف الشریف، المدینة المنورہ، 1989ء، ص: 318

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان غلاموں کے لئے، جو ایک آقا کی ماتحتی کا ذاتی تجربہ رکھتے تھے اور یہ دلیل ان کو جلد سمجھ آنے والی تھی، اس حقیقت اور انسانی فطرت کے تقاضے کو دعوت کی دلیل بنایا اور انہیں توحید سے متعارف کرایا۔

ب۔ آخرت :

توحید کے ساتھ ساتھ تصور آخرت یعنی جوابدہی کے تصور سے آشکار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مامور کیا اور انہوں نے اپنی قوم قریش کو اس حقیقت کی طرف یوں متوجہ کیا :

"عن ابن عباس قال صعد رسول اللّٰہ ﷺ ذات یوم الصفا فقال یا صباحاہ فاجتمعت الیہ قریش فقالوا مالک قال أرأیتم ان اخبرکم ان العدو مصبحکم او ممسکم اما تصدقونی قالوا بلٰی"[51] "ان ھو الا نذیرلکم بین یدی عذاب شدید"[52] یعنی رسول اللہ ﷺ نے پوری طرح متوجہ کر کے اپنی قوم کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

طبری کے ایک قول کے مطابق یوں فرمایا۔

"اے بنی عبدالمطلب! اے بنی عبدمناف! اے بنی قصی! میں تم کو اللہ کی جانب بلاتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں"[53] دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اپنی تعلیم کا اعلان کیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔

کفار مکہ آخرت کے بالکل منکر تھے۔ اس لئے ان کو سب سے پہلے آخرت پر یقین لانے کی دعوت دی۔

اسلام نے عقیدہ آخرت کو اور جزا و سزا کے نظریہ کی حقیقت کو ایمان کے اصول و اساس میں اس لئے داخل کیا ہے کہ اگر یہ تعلیم عقائد میں داخل نہ ہوتی تو دلوں میں اعمال کی جزا و سزا کی اہمیت اور عظمت نہ بیٹھتی اور نہ احکام الٰہی

---

[51] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار القلم، بیروت، 216/2

[52] القرآن - 34 : 46

[53] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، نفیس اکیڈیمی، کراچی، 1987ء، 702/2

کی تعمیل کی طرف دلی رجحان اور میلان پیدا ہوتا[1] اس عقیدہ کی اہمیت کو مختلف انداز میں اجاگر کیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے مالک یوم الدین[2] یعنی "مالک ہے روز جزا کا" روز جزاء یعنی قیامت کا دن جسے اللہ تعالیٰ نے نیک و بد اعمال کا بدلہ دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

علامہ ابن کثیر نے اس کی وضاحت یوں کی ہے

والدین الجزاء و الحساب کما قال تعالی یومئذ یوفیھم اللہ دینھم الحق و قال ء انالمدینون) ای مجزیون محاسبون و فی الحدیث" الکیس من دان نفسہ و عمل لما بعد الموت، ای حاسب نفسہ لنفسہ[3]

دوسری جگہ ارشاد ہے ان الساعۃ لاتیۃ لا ریب فیھا ولکن اکثر الناس لا یؤمنون[4] یعنی قیامت تو ضرور ہی آکر رہے گی (تاکہ ہر ایک عمل کا پورا پورا بدلہ اس کو مل جائے) اس کے آنے میں کسی طرح کا شک ہے ہی نہیں مگر اکثر لوگ نہیں مانتے" قریش کو اسلام کی راہ پر لانے کے لئے یہ قطعی ناگزیر تھا کہ آخرت کا عقیدہ ان کے ذہن میں اتارا جائے۔ کیونکہ اس عقیدے کو مانے بغیر یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق و باطل کے معاملے میں ان کا طرز فکر سنجیدہ ہو سکتا، خیر و شر کے معاملے میں ان کا معیار اقدار بدل سکتا اور وہ دنیا پرستی کی راہ چھوڑ کر اس راہ پر ایک قدم بھی چل سکتے جس پر اسلام ان کو لانا چاہتا تھا۔[5]

اسی طرح مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا :

"و بالاخرۃ ھم یوقنون"[6] اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں "ای بالبعث والقیامۃ والجنۃ والنار والحساب والمیزان وانما سمیت الاخرۃ لانھا بعد الدنیا"[7]

---

[1] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1987ء، 85/1

[2] القرآن - 3:1 القرآن - 53:37

[3] ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، مکتبہ الکلیات الازہریہ، القاہرہ، 324/1

[4] القرآن - 59:40

[5] مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1974ء، 222-220/1

[6] القرآن - 4:2

[7] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفہ للطباعہ والنشر، بیروت، 1984ء، 43/1

آخرت پر ایمان لانا اجزاء ایمان میں اس حیثیت سے سب میں اہم جزو ہے کہ مقتضائے ایمان پر عمل کا جذبہ پیدا کرنا اس کا اثر ہے۔ عقیدہ آخرت اور خوف خدا ہی ہے جس کی وجہ سے انسان کی ظاہری اور باطنی حالت، جلوت و خلوت میں یکساں ہو سکتی ہے۔ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ مکان کے بند دروازوں اور رات کی تاریکیوں میں بھی کوئی دیکھنے والا مجھے دیکھ رہا ہے۔ کوئی لکھنے والا میرے اعمال لکھ رہا ہے۔ یہی وہ عقیدہ تھا جس پر پورا عمل کرنے کی وجہ سے اسلام کے ابتدائی دور میں ایسا پاکباز معاشرہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی صورت دیکھ کر، چال چلن دیکھ کر، لوگ دل و جان سے اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ [1]

6- اسلامی نظریہ حیات کی بنیادیں:

اسلامی نظریہ حیات کی بنیادوں کو تین شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ فلسفیانہ بنیادیں:

(1) الہامی ہدایت: اسلامی نظریہ حیات کی سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ یہ الہامی ہدایت پر مبنی ہے۔ یہ کسی مخلوق کے ذہن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اس خالق کی عطا ہے جس نے ساری کائنات اور انسان کو خلق کیا ہے اور جس نے مخلوق کو ہدایت دینے کے لئے وحی اور انبیاء علیہم السلام کا انتظام کیا ہے۔ جیسا کہ خالق کائنات کا اپنا کلام اس کی گواہی دے رہا ہے:

ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم [2]

یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ [3]

وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔

---

[1] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1987ء، 114/1

[2] القرآن - 19:17

[3] القرآن - 7:61

وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحی يوحی [1]

اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔

نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کے ذریعہ ہدایت ہونے کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے:

عن علیؓ قال انی سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول الا انھا ستکون فتنۃ فقلت ما المخرج منھا یا رسول اللّٰہ۔ قال کتاب اللّٰہ [2] "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب فتنے ظاہر ہوں گے۔" تو علیؓ نے پوچھا کہ اس سے نجات کیسے ممکن ہوگی۔ فرمایا "کتاب اللہ پر عمل کرنے سے"۔ دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا خیرکم من تعلم القرآن و علمہ [3] تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

اسلامی آئیڈیالوجی کا الہامی ہونا، اسے باقی نظریات سے ممتاز کرتا ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے دیئے ہوئے نظام میں کسی کے لئے اپنی مرضی سے اضافہ یا کمی کرنے کی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید یوں گویا ہے:

انا نحن نزلنا الذکروانا لہ لحافظون [4]

ہم ہی نے اس کتاب کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

سید قطب لکھتے ہیں: "یہ ایک ربانی نظریہ ہے جو اپنے تمام اختیارات اور اصولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور انسان نے یہ نظریہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تمام خصوصیتوں اور اصولوں کے ساتھ کامل و مکمل حالت میں لیا ہے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی اضافہ کرے یا اس میں سے کچھ کم کر سکے بلکہ اس کے حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خود کو اس رنگ میں رنگ لے اور اپنی زندگی کو اس کے تقاضوں کے مطابق بنائے۔" [5]

---

[1] القرآن - 53:3-4

[2] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، قرآن محل کراچی، 2/134

[3] نفس المصدر 2/134

[4] القرآن - 15:9

[5] سید قطب شہید، خصائص التصور الاسلامی و مقوماتہ (مترجم اردو اسلامی نظریہ کی خصوصیات اور اصول) اسلامک بک پبلشرز کویت، 1982ء، ص: 215

(2) ایمان : اسلامی آئیڈیالوجی کی دوسری فلسفیانہ بنیاد ایمان ہے۔ خدا، مرسلین اور آخرت پر ایمان ہی وہ انقلابی قوت ہے جس سے انسان کے فکر و نظر میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنی پوری زندگی کو خدا کے رنگ میں رنگنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ [1]

(ہم نے قبول کیا) اللہ کا رنگ اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے۔ نیز یہ کہ انسان ایمان کے نتیجہ میں اجتماعی فلاح کی راہ پر چل پڑتا ہے جس کا حکم اسے یوں دیا گیا ہے:

و تعاونوا علی البر و التقویٰ و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان [2]

اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر۔

کنتم خیر اُمۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر [3]

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے۔ نبی کریم ﷺ نے یوں فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون بلسانہ و یدہ [4]

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

آغاز اسلام کے وقت یہ ایمان ہی کی قوت تھی جس کے نتیجے میں ہر انسان کے دل میں خود ایک ایسی شمع روشن ہو گئی، جس نے بدی کی تاریکیوں کو چھانٹ دیا اور انسان کو ایک نیا روپ عطا کیا۔ اس کی وجہ سے ہر شخص خود اپنا نگران بن گیا اور کسی بیرونی دباؤ کے بغیر وہ خود اپنا محاسبہ کرنے لگا۔ دنیا سے بے جا محبت آپ سے آپ ختم ہو گئی اور انسان نے اعلیٰ مقاصد کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ برائیوں سے نفرت کا

---

[1] القرآن - 2: 138 [2] القرآن - 5: 2
[3] القرآن - 3: 11
[4] الترمذی محمد بن عیسیٰ، الجامع، قرآن محل، کراچی، 2/102

داعیہ ہر فرد کے نفس میں پیدا ہو گیا اور وہ بدی کے خلاف ایک ہمہ گیر جہاد میں مصروف ہو گیا۔ اور اسے اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ :

الدنیا ملعونۃ و ملعون ما فیھا الا ذکر اللّٰہ وما والاہ و عالم و متعلم۔ [51] "دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر اور اللہ کی محبوب چیزیں اور عالم اور متعلم۔"

اس یقین سے مومن کو ایمان میں پختگی اور روشنی نصیب ہوئی جس کا اظہار یوں کیا گیا:

اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللّٰہ [52]

مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

(3) <u>وحدت :</u> اسلامی آئیڈیالوجی کی تیسری بنیاد دین و دنیا کی وحدت ہے یہ بنیاد روح اور مادہ کی تقسیم اور دین و دنیا کی تفریق کو ابلیس کی ایجاد سمجھتی ہے۔ اس میں نہ رہبانیت کی گنجائش ہے اور نہ سیکولرزم کی۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام [53] یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں۔

اس میں دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارنے کا درس ہے جیسا کہ اس دعا میں تعلیم کیا گیا ہے:

ربنا اٰتنا فی الدین حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ [54]

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اچھائی دے اور آخرت میں بھی اچھائی۔ یہ دین کو دنیا کے تابع نہیں کرتی بلکہ دنیا کو دین کے تابع کرتی ہے۔ یہ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتی اور دنیا میں کی جانے والی جدوجہد کو آخرت کی سرخ روئی کی ضمانت قرار دیتی ہے۔ جس کے بارے میں نبی علیہ السلام کا ارشاد یوں ہے:

الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ [55] "دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔"

---

[51] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، قرآن محل، کراچی، 67/2

[52] علی المتقی الہندی، کنز العمال، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 210/8

[53] فتح الباری، ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 116/5

[54] القرآن - 201:2

[55] عینی، ابو محمد بن احمد المصری، عمدۃ القاری، شرح صحیح البخاری، دار الکتب، بیروت 248/7

اسلامی آئیڈیالوجی محض فرد کی زندگی کی تعمیر نہیں کرتی بلکہ اجتماعی زندگی میں تنظیم پیدا کرتی ہے۔ یہ فرد اور سماج دونوں کی ترقی اور بہتر کارکردگی کی ضمانت دیتی ہے "مسلم معاشرے کے ہر فرد کو اجتماعی تحریک کا سرگرم کارکن بناتی ہے۔ تاکہ معاشرہ اصلاح اور فلاح کی راہ پر چل کر کامرانیوں کی منزل پالے۔ اس درس کو قرآن مجید میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا و لا تفرقوا [1]

احادیث میں انفرادی ذمہ داریوں اور اجتماعیت کو اختیار کرنے کے لئے یوں تعلیم دی گئی ہے:

الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ [2]

خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر نگران سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

علیکم بالجماعۃ و ایاکم و الفرقۃ فان الشیطان مع الواحد [3]

تم پر اجتماعیت لازم ہے اور جماعت سے الگ نہ رہیں اس لئے کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔

ید اللّٰہ مع الجماعۃ [4] یعنی اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔

اسلامی تحریک ایک مشنری اور تعلیمی ادارہ ہے اور جو ریاست اور اجتماعی نظم، یہ قائم کرتی ہے وہ بھی اصلاً معلم اور داعی الی الحق کے فرائض انجام دیتا ہے۔

(4) <u>اعتدال:</u> اسلامی آئیڈیالوجی اعتدال پر مبنی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفوت [5]

---

[1] القرآن - 103:3

[2] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، 1387ھ، 50/2

[3] الترمذی محمد بن عیسیٰ الجامع، قرآن محل، کراچی، 49/2

[4] نفس المصدر، 49/2

[5] القرآن - 3:67

تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔

اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے اصول بھی متوازن ہیں اور اس کی ہدایات بھی اعتدال پر مبنی ہیں۔ اس نظریہ کی یہ خاصیت، خاصیت شمول سے مربوط اور ہم آہنگ ہے۔ گویا یہ نظریہ خود بھی متوازن ہے اور اس کی ہمہ گیری اور جامعیت میں بھی اعتدال ہے۔ اپنی اس بے نظیر خاصیت کی وجہ سے یہ نظریہ اپنے مطالب و مفاہیم میں افراط و تفریط ہر قسم کے غیر معمولی مبالغے اور اندرونی تصادم و تضاد سے محفوظ ہوگیا ہے۔ نیز اس کو کمی بیشی سے بچانے کے لئے ایک مستقل جماعت مقرر کرنے کے احکامات دیئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

ولتکن منکم اُمۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر [1]

تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو، جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں۔ اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کرتے رہیں۔

اسی طرح ارشاد نبوی ہے:

ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا و قاربوا و ابشروا [2]

دین آسان ہے اور دین پر کوئی غالب نہیں آسکتا پس اعتدال میں رہو اور دین سے قریب رہو اور خوش خبری حاصل کرو۔

(5) <u>توازن:</u> "اسلامی آئیڈیالوجی ثبات اور تغیر کے درمیان مکمل توازن پیدا کرتی ہے۔ الہامی ارشاد ہے:

لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النھار و کل فی فلک یسبحون [3]

---

[1] القرآن - 104:3

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1961ء، 10/1

[3] القرآن - 4:36

نہ سورج سے ممکن ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر ایک اپنے مدار میں چکر لگاتا ہے۔

اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ زندگی کے ابدی اصول پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرے میں پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کا حل بھی فراہم کرتی ہے، یہ آئیڈیالوجی ایسے بنیادی اصول پیش کرتی ہے، جو فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہیں۔ چونکہ انسانی فطرت بدلتی نہیں اس لئے ان اصولوں میں تبدیلی بھی ممکن نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے، جو انسان کو اختیار دیتا ہے کہ خدا و رسول کی حدود کو قائم رکھتے ہوئے نئے مسائل کا حل اپنی فکری قوت سے تلاش کریں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعہا [1]

اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔

ما یرید اللّٰہ لیجعل علیکم فی الدین من حرج [2]

اللہ تم پر دین میں تنگی کرنا نہیں چاہتا۔

فلو لا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین [3]

سو کیوں نہ نکلا ہر فرقے میں سے ایک حصہ ان کا تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں

اسلام نے کائنات اور اس کے نظام کو سمجھنے کے لئے کئی مواقع پر تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

ان فی خلق السمٰوٰت والارض و اختلاف الیل والنہار لاٰیات لاولی الالباب [4]

---

[1] القرآن - 296:2

[2] القرآن - 6:5

[3] القرآن - 122:9

[4] القرآن - 190:3

بیشک زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات و دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

مرج البحرین یلتقیٰن بینهما برزخ لا یبغیٰن فبای الاٰء ربکما تکذبان [1]

چلائے دو دریا مل کر چلنے والے، ان دونوں میں ہے ایک پردہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ پس اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یا یها الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسوٰک فعدلک فی ای صورۃ ما شاء رکبک [2]

اے انسان کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کر دیا پھر تجھ کو برابر کیا جس صورت میں چاہا بنایا۔

اسلامی آئیڈیالوجی میں انسان کو اپنی ذات میں اور کائنات کی ہر چیز میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

سنریهم اٰیاتنا فی الاٰفاق و فی انفسهم [3]

اب ہم دکھائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں۔ یوں اسلام نے سائنس اور مذہب کے تضاد کو ختم کر دیا ہے۔

(6) تدریج: نظریہ اسلام تدریج کے اصول پر قائم ہے۔ اسلام کے آغاز میں اللہ تعالٰی نے نماز، زکوۃ، حرمت شراب، حرمت سود وغیرہ کے نفاذ میں اسی اصول کا اہتمام فرمایا ہے۔ اس کا مقصد انسانوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا ہے تاکہ وہ مرحلہ وار اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال سکیں اور آہستہ آہستہ اس نظام عدل کو اپنا شعار بنا سکیں جو شریعت کی شکل میں ان تک پہنچا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

---

[1] القرآن - 55:13-14

[2] القرآن - 82:6-8

[3] القرآن - 41:53

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر [1]

اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف امیر بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تو اہل کتاب کے پاس جا رہا ہے (اس کے بعد یوں فرمایا):

فليكن اول ما تدعوهم اليه عبادة الله عزو جل فاذا عرفوا الله عزو جل فاخبرهم ان الله قد فرض عليهم زكوٰة تؤخذ من اموالهم فترد علىٰ فقرائهم فاذا اطاعوا لها فخذ منهم و توقی كرائم اموالهم [2]

تم پہلے ان کو اللہ کی طرف بلاؤ (کلمہ کی دعوت دو) اگر مان گئے تو پھر نماز کی دعوت دو، اگر یہ بھی مان گئے تو زکوٰۃ کی دعوت دو، کہ اغنیاء سے مال لیا جائے گا اور ان کے فقراء پر تقسیم کیا جائے گا اور زکوٰۃ میں بہترین مال سے بچو (بلکہ درمیانی مال لیا کرو)۔

تدریج کا اصول خدا کا اپنے بندوں پر احسان عظیم ہے یہ احسان اس اللہ کی طرف سے ہے جو کسی کو اس کی گنجائش سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا جیسا کہ ارشاد ہے:

لا يكلف الله نفسا الا وسعها [3]

اللہ کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔

لا اكراه فى الدين [4] یعنی دین کے معاملے میں زبردستی نہیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ انسان کے بوجھ کو ہلکا کر دے اس کے بارے میں اللہ کے نبی ﷺ نے مستقل ہدایات دی ہیں:

---

[1] القرآن - 2 :185
[2] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1956، 37/1
[3] القرآن - 2 :286
[4] القرآن - 2 :256

عن ابی موسی قال کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا بعث احدا من اصحابہ فی بعض امرہ قال بشروا ولا تنفروا و یسروا و لا تعسروا [1]

ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو کام پر بھیجتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو خوش خبری دلاؤ، نفرت مت دلاؤ اور سہولت نکالو، تنگی مت نکالو۔

تدریج اسلامی اصول حیات کا ایک مستقل اصول ہے اور ہر دور میں اس سے فائدہ اٹھانا ہر مسلمان کا حق ہے البتہ یہ اصول انہی لوگوں کے لئے ہیں جو فی الحقیقت خدا کے قانون کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے نہیں جو تدریج کے نام پر اطاعت کا قلادہ گردن سے اتار دینا چاہتے ہیں۔

ب۔ معاشرتی بنیادیں:

(1) مستحکم اصول و ضوابط: اسلامی آئیڈیالوجی نے دنیا کو ایک ایسا پائیدار معاشرتی نظام دیا، جس کے اصول و ضوابط مستقل و محکم ہیں۔ جس کا پورا مزاج عدل سے مرکب ہے اور جس کے تمام عناصر باہم مربوط ہیں۔ قرآن مجید اس امر پر شاہد ہے:

صنع اللّٰہ الذی اتقن کل شیء [2]

کاریگری اللہ کی جس نے درست اور مضبوط کیا ہر چیز کو۔

چونکہ ہر معاشرہ، افراد کا مجموعہ ہے اور فرد، معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ اس لئے فرد کی اصلاح، معاشرے کی اصلاح کا پہلا زینہ ہے۔ اس لئے اسلامی نظریہ حیات، فرد اور سماج دونوں کی تربیت، تہذیب اور اصلاح کو یکساں اہمیت دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کے لئے مفصل احکام موجود ہیں:

و تعاونوا علی البر و التقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان [3]

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1/ 904

[2] القرآن - 27: 88

[3] القرآن - 5: 2

اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری پر، اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر

و لا تؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل اللّٰہ لکم قیما[5]

اور مت دو بیوقوفوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گذران کا سبب۔

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ و ان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان[2]

تم میں سے جو کوئی کسی ناجائز چیز کو دیکھے تو چاہئے کہ ہاتھ سے روک دے اگر یہ کرنا اس کی طاقت سے باہر ہو تو زبان سے روک دے ورنہ دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کی کمزور نشانی ہے۔

گویا اسلام کے دیئے ہوئے معاشرتی نظام کی عمارت دراصل تربیت فرد اور تعمیر معاشرہ کے دو ستونوں پر کھڑی ہے۔ ایک محقق کے مطابق:

"اسلام ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے وہ انسان کو محض نظام اجتماعی کا ایک بے جان اور معطل پرزہ یا ماحول کا ایک پرتو محض نہیں سمجھتا بلکہ اسے معاشرے کا انتہائی اہم جزو اور اصل "تاریخ ساز" قرار دیتا ہے۔[3]

(2) <u>جوابدہی کا تصور:</u> اسلامی آئیڈیالوجی فرد میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اور اپنے ہر ہر عمل کے سلسلے میں خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ[4]

سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے، اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اسے۔

مزید فرمایا و ان لیس للانسان الا ما سعی[5]

---

[1] القرآن - 5:4

[2] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، قرآن محل، کراچی، 49/2

[3] خورشید احمد، چراغ راہ، نظریہ پاکستان نمبر، کراچی، 1960ء، ص:408

[4] القرآن - 8:99

[5] القرآن - 39:53

اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جس کے لئے اس نے کوشش کی۔

نظریہ اسلام فرد کو ایمان پر مستحکم رہنے اور اور علم دین حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ نیز دین کو سمجھ لینے کے بعد ایمان کی پختگی کی تلقین کرتا ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے:

فاسئلوا اهل الذکران کنتم لا تعلمون [1]

سو پوچھو جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے اور یہ کہ فاستقم کما امرت [2] یعنی سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا ہے۔ اس طرح۔ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ [3] یعنی پھر جب تو ارادہ کر چکا اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر۔

دین کی سمجھ اور ایمان کی پختگی سے عملی زندگی کی کامرانی کا معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔ عملی زندگی میں کامیابی کے لئے اسلامی نظریہ حیات فرد کو ولولہ اصلاح اور جرات عمل کا درس دیتا ہے۔ یہ آئیڈیالوجی فرد کی مستقل سماجی تربیت اور مسلسل روحانی بالیدگی کے لئے عبادات کے ایک جامع نظام کا نشان بتاتی ہے۔ فرد کو افراط و تفریط سے بچانے کے لئے اعتدال اور میانہ روی کا سبق دیتی ہے۔ اور یہ نظریہ دین کے قیام اور اس کی سربلندی کے لئے فرد کو مسلسل جدوجہد اور قربانی کی تحریک دیتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا:

ولا تھنوا ولا تحزنوا و انتم الأعلون ان کنتم مؤمنین [4]

اور دشمن کے مقابلہ پر سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تمہارا ایمان مضبوط رہا۔

(3) رواداری: اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال کی راہ اپنانے کا درس دیا، لغو اور بے فائدہ کاموں اور ایسے طور طریقے اختیار کرنے سے روکا جن میں غیر اسلامی معاشرے کی روح کارفرما ہو۔

---

[1] القرآن - 43:16
[2] القرآن - 112:11
[3] القرآن - 159:3
[4] القرآن - 139:3

جیسے ارشاد ہوا:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللّٰہ عدوا بغیر علم [1]

اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جنکی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا، پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدون سمجھے۔ ایک مفکر کے نزدیک:

"مسلمان کا معاشرتی امتیاز ہر حال میں اور ہر پہلو سے نمایاں رہنا چاہئے۔ ان کے لئے ایسی رواداری، رواداری نہیں بلکہ مداہنت ہے، جس سے اسلام اور غیر اسلام میں کوئی ادنیٰ سی بھی جوہری ہم رشتگی ظاہر ہوتی ہو" [2]

اسلام نے جو درس دیا ہے وہ یہ کہ دشمنوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو۔ برا چاہنے والوں کے ساتھ بھلائی کرو۔ جو تم کو بد دعائیں دیں ان کو دعا دو۔ جو تمہارا قصور کریں ان کو معاف کرو، اور جو تم پر ظلم کریں ان کے ساتھ انصاف کرو۔ ارشاد ربانی ہے:

یایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للّٰہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا [2]

اے ایمان والو! خدا کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ انصاف کے ساتھ، گواہ بن کر، اور کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل و انصاف کرنے سے باز نہ رکھے۔

مزید ارشاد ہے:

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بین الذین عداوۃ کانہ ولی حمیم [3]

برائی کو بھلائی سے ختم کرو تو ایسا کرنے سے تمہارا بدترین دشمن بھی تمہارا گہرا محبوب بن جائیگا۔

اس ضمن میں ایک مورخ یوں رقم طراز ہیں:

---

[1] القرآن - 109:6

[2] اصلاحی، صدر الدین، اسلام ایک نظر میں، اسلامک پبلی کیشنز لیمیٹڈ، لاہور، 1983ء، ص: 215

[2] القرآن - 8:5

"اگر عفو و درگذر کی عملی مثالیں دیکھنی ہیں تو اس عظیم ہستی کی طرف دیکھیں۔ جس نے فاتح بن کر مفتوح ہو کر نہیں۔ حاکم ہو کر محکوم ہو کر نہیں، یک بار مکہ کے ان ہزاروں دشمنوں کو معاف کر دیا جن میں سے ہر ایک ان کے خون کا پیاسا رہ چکا تھا۔" [1]

ج۔ اخلاقی بنیادیں:

(1) رضائے الٰہی: اسلامی نظریہ حیات سب سے پہلے انسانی روح کو نفسانی خواہشوں کی غلامی سے آزاد اور مادیت پرستی کی آلائشوں سے پاک کرتا ہے تاکہ بندہ رضائے الٰہی کے مطابق اپنی عملی زندگی گزار سکے۔ زندگی کے تمام امور میں اس روح کو جاری و ساری رکھنے کے لئے اسلام نے مستقل تعلیمات دی ہیں۔

جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

قل ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العالمین [2]

تو کہہ کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا ہے سارے جہان کا۔

لن ینال اللّٰہ لحومھا و دمائھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم [3]

اللہ کو نہیں پہنچتا تمہاری قربانی کا گوشت اور نہ اس کا خون بلکہ اس کو پہنچتا ہے تمہارا اخلاص۔

فادعوہ مخلصین لہ الدین [4]

"اس کو پکارو اس طرح کہ عبادت اس کے لئے خالص کرو۔" مقصود ان ساری تعلیمات کا یہ ہے کہ انسان کو اپنے ہر ہر عمل میں اس خالق و مالک کی رضا کو تلاش کرنا چاہئے جس نے اسے ہر چیز عطا کی ہے۔ اس جذبہ اخلاص کی وجہ سے ہی وہ نفسانی خواہشات سے بچے گا اور معاشرہ فتنہ و فساد سے محفوظ رہے گا۔

---

[1] علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، آر بک کلب 1979ء، راولپنڈی، 157/6

[2] القرآن - 163:6

[3] القرآن - 37:22

[4] القرآن - 65:40

(2) امر بالمعروف و نہی عن المنکر : نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد اور بری حرکتوں سے لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش، مسلم معاشرے کا وصف خاص ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

کنتم خیر اُمة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر [1]

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئیں عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے۔

اس کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے مستقل آداب و تقاضوں سے بھی روشناس کرایا ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے:

اُدع الٰی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة [2]

تو اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی سے اور اچھی نصیحت سے بلا، حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا گیا تو یہ کہا گیا:

فقولا له قولا لینا [3] "تم دونوں اس سے نرمی سے باتیں کرنا"۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کے لئے خود اس پر عامل ہونا یوں ضروری قرار دیا گیا:

اتأمرون الناس بالبر و تنسون انفسکم [4]

کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے و اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو۔ اس طرح فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح کا بیک وقت اہتمام کیا گیا۔

اسلام کے تصور اخلاق کی امتیازی خصوصیات، ایک معلم نے یوں بیان کی ہیں:

"اسلام رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر اخلاق کے لئے ایک ایسا بلند معیار فراہم کرتا ہے، جس کی وجہ سے اخلاقی ارتقاء کے امکانات کی کوئی انتہا نہیں رہتی نیز خوف خدا کے ذریعہ سے اخلاق کو وہ قوت نافذہ دیتا ہے جو خارجی دباؤ کے بغیر انسان سے اس کی پابندی کراتی ہے۔" [5]

---

[1] القرآن - 3:110

[2] القرآن - 16:125

[3] القرآن - 20:44

[4] القرآن - 2:44

[5] احمد سلیم، اسلامی نظام، مسائل اور تجزیے، سلیم احمد ٹرسٹ، کراچی، 1984ء، ص: 392-393

خلاصہ:

نظریہ اسلام زندگی کے دونوں پہلوؤں یعنی مادی Physical اور غیر مادی Meta-Physical کا بیک وقت احاطہ کرتا ہے۔ غیر مادی پہلوؤں یعنی عقائد و نظریات کے اعتبار سے توحید و آخرت، رسالت، ملائکہ، تقدیر، اور مادی اعتبار سے سماوی کتب عبادات و معاملات نیز اخلاق و آداب زندگی کا مکمل احاطہ کرتے ہیں۔ نظریہ اسلام میں حقائق و مسلمات طے کر دیئے گئے ہیں اور جزیات میں ارتقاء کے عمل کو جاری رکھا گیا ہے۔

اسلامی نظریہ حیات الہامی ہدایت پر مبنی ہے جس کی اساس خدا، مرسلین اور آخرت پر ایمان ہے۔ اس میں رہبانیت کی گنجائش نہیں۔ بلکہ یہ دنیا اور آخرت دونوں کو بیک وقت سنوارنے کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کے احکامات میں مکمل توازن اور اعتدال ہے جبکہ انسان کی استطاعت و مقدرت کی رعایت کرتے ہوئے یہ نظریہ اپنے اصول و ضوابط پر تدریجاً عملدر آمد کی سہولت مہیا کرتا ہے۔

اسلامی آئیڈیالوجی پر مرتب معاشرے کا پورا مزاج عدل سے مرکب ہوتا ہے اور اس معاشرتی نظام کی عمارت دراصل تربیت فرد اور تعمیر معاشرہ کے دو ستونوں پر کھڑی ہے۔ یہ نظریہ فرد کے لئے لازمی قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے اعمال میں اللہ کی رضا کو سامنے رکھے نیز اس کے قیام کے لئے حتی المقدور جدوجہد کرے۔

نظریہ اسلام کی جامعیت سے یہ امر آشکار ہوتا ہے کہ نظریہ کے تحت زندگی با مقصد طریقہ سے گذرتی ہے اور انسان زندگی کی سہولتوں سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے جبکہ غیر نظریاتی معاشرے میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے نیز یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں پر محیط نظریہ حیات سے دنیا میں امن اور خیر خواہی جنم لیتی ہے جبکہ صرف دنیاوی مقاصد پر مشتمل نظریات سے ظلم و تعدی جنم لیتے ہیں۔

فصل سوم ۔ عسکریت

نبی اکرم ﷺ سے پہلے ساری دنیا میں مقاصد جنگ کی طرح جنگ کے طریقے بھی وحشیانہ تھے۔ جنگ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہولناک غیض و غضب کی مظہر ہوتی تھی۔ مقاتلین (میدان جنگ میں لڑنے والے) اور غیر

مقاتلین (میدان جنگ میں حصہ نہ لینے والے) کا کوئی فرق نہیں تھا۔ لڑائی کا اثر سوسائٹی کے ہر طبقے پر پڑتا تھا اور ہر شخص یکساں طور پر تہہ تیغ کیا جاتا تھا۔

1- غیر مسلم معاشرہ اور عسکریت

الف- ہندومت کا نظریہ اور عسکریت:

ہندوؤں کے ہاں کوئی مرکزی عقیدہ نہیں ملتا۔ مختلف الخیال طبقات اور شعار و عبادات کو، جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں، اس ہندومت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ تاہم جدید ہندوؤں نے چاروں ویدوں، گیتا اور منوسمرتی کو مذہب کی بنیاد و اساس کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ اور یہی کتابیں ان کی عسکریت سے آگاہی دلواتی ہیں۔ وید اس زمانے کی تصنیف ہیں جب آریہ قوم وسط ایشیا سے نکل کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئی تھی اور ان کا مقابلہ ہندوستان کے اصلی باشندوں دراوڑوں، بھیل اور دوسری قوموں سے ہوا تھا۔ آرین چونکہ بلند قامت اور خوبصورت تھے، اس لئے وہ ہندوستان کے مقامی باشندوں کو، جن کے رنگ کالے تھے اور بدصورت تھے، نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ویدوں میں ان کی اس بنائے مخاصمت اور وجود دشمنی کو بصورت نظم پیش کیا گیا ہے۔

ویدوں کی طرح دوسری کتاب جو ہندوؤں کی حرب و جنگ کے فلسفہ کو واضح کرتی ہے وہ گیتا ہے۔ گیتا اس زمانے کی تصنیف ہے جبکہ آریوں کا تسلط پورے شمالی ہند پر قائم ہو چکا تھا اور ہندو تہذیب و تمدن انتہائی عروج پر تھے۔ تو اس وقت تفوق و برتری کے لئے خود آریوں کے دو بااثر خاندانوں میں کشمکش شروع ہو گئی تھی۔ اس کتاب میں کرشن مہاراج کے عظیم پیشوا نے جنگ کے متعلق اپنے فلسفیانہ افکار و خیالات پیش کئے ہیں۔

اسی طرح کی عسکری نظریات و احکام پر مشتمل کتاب منوسمرتی ہے۔ منوسمرتی اس دور میں تصنیف ہوئی جبکہ سارا ہندوستان آریہ ورت بن چکا تھا اور مقامی باشندوں کا قلع قمع کر دیا گیا تھا اور آریائی تہذیب پورے عروج پر تھی اس کتاب میں جنگ کے قواعد و ضوابط اور مفتوح اقوام کے حقوق و فرائض کے متعلق بہت کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔ ان مذکورہ کتابوں کے کچھ اقتباسات ہندوؤں کے عسکری نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔

(1) <u>دولت و خوراک اکٹھا کرنے کا جذبہ</u> : "اے اندر! ہم کو خوب دولت اور خوراک جمع کر لینے دے ہم بہادروں کی سی قوت پیدا کر لیں جو مویشی اور گھوڑے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔"[15]

(2) مال و دولت اکٹھا کرنے کا جذبہ : "اے اندر! جب میدان جنگ گرم ہو تو ہمارے پاس مال و دولت کے جمع کئے ہوئے خزانے لا، ہمارے حریفوں کے ہتھیار توڑ دے۔ ہمیں مال و دولت عطا کر۔ اے بہادر! ہم فتح یاب ہوں۔ مال غنیمت حاصل کریں۔"[2]

(3) شہرت و ناموری حاصل کرنے کا جذبہ : "جب اچھے نقشے کے ساتھ بہادر لوگ فوج کو آگے بڑھاتے ہیں تو وہ باقاعدہ جنگ میں فتح حاصل کرتے ہیں اور شہرت و ناموری کی تلاش میں بڑھتے ہیں اور دباتے چلے جاتے ہیں"۔[3]

(4) دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے قتل کرنا : "روئے زمین کے جو حکمران ایک دوسرے کو نیچا دکھانے یا قتل کرنے کی خواہش سے اپنی تمام قوت کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور کبھی منہ نہیں موڑتے وہ مرنے کے بعد سیدھے بہشت کی طرف جاتے ہیں۔[4]

(5)۔ ممالک کو فتح کرنے کا جذبہ : "راجہ کا خالص فرض یہ ہے کہ ممالک فتح کرے اور جنگ سے کبھی نہ ٹلے"

ان تعلیمات کی روشنی میں یہی واضح ہوتا ہے کہ ان تعلیمات کو ہندو عساکر کی نظریاتی اور مذہبی تربیت محض محدود مقاصد کے لئے کی جاتی تھی۔ ان کے نزدیک جنگ کا کوئی بلند و ارفع اخلاقی مقصد نہ تھا اور نہ یہ جنگیں کبھی مذہب کی اشاعت کے لئے لڑی گئی تھیں۔ ان کا واضح نصب العین مقامی باشندوں کو کلیتاً ختم کرکے ان کے اموال و مویشی پر قبضہ کرنا تھا۔ گویا ان جنگوں کا مقصد مال غنیمت، لوٹ، غارت گری، شہرت و ناموری کی خواہش، ہوس قوت و اقتدار و ملک گیری، انتقام و وحشت و بربریت اور قتل انسان کے سوا کچھ نہ تھا۔

ب۔ یہودیت اور عسکریت:

یہودیت کی مرکزی اور بنیادی تعلیم کی ماخذ ان کی کتاب تورات موجود ہے۔ جس سے ہم ان کے مذہب کے احکام

---

[1] رگ وید: 53 - 4،5

[2] رگ وید: 25 - 2،3،5،6

[3] رگ وید: 174 - 7

[4] منو: 7 - 89

و قوانین معلوم کر سکتے ہیں اگرچہ جو تورات آج موجود ہے وہ درحقیقت وہ کتاب نہیں ہے جو کہ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ بلکہ وہ کتاب ہے جسے عہد عتیق (Old-Testament) کہا جاتا ہے۔ تورات میں جنگ کے مقاصد کے حوالے سے یوں مذکور ہے "اور ہم نے ان کو یعنی ان مردوں اور عورتوں اور لڑکیوں کو ہر ایک شہر میں حسیبون کے بادشاہ سیحوں کی طرح جرم کیا۔ لیکن سارے مویشی، شہروں اور مال و اسباب کو ہم نے اپنے واسطے لوٹ لیا"۔ [1] مزید یوں بھی لکھا ہے "اور ہم نے کسی کو باقی نہیں چھوڑا، سوائے چارپایوں کے، جنہیں ہم نے غنیمت جان کر پکڑ لیا اور اس مال کے، جو ہم نے شہروں میں سے لوٹا"۔ [2]

یہودیوں کی عسکری تربیت کے لئے ان کی مقدس کتابوں میں جا بجا دشمن کو تہس نہس کرنے کی تعلیم موجود ہے۔ ایک مفکریوں رقمطراز ہے کہ : "جنگ کے بارے میں دوسرے ادیان کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے زیادہ سخت اور وحشت ناک جنگ ہمیں یہودی مذہب میں ملتی ہے جس کا مقصد دشمن کو مکمل طور پر تباہ کر دینا اور ملیا میٹ کرنا ہے چاہے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا پڑے۔ [3]

عہد قدیم الاصحاح 13 شبهنه الاشتراع میں یوں نقل کیا گیا ہے۔ شہر کے باشندوں کو ہتھیار اور تلوار کے زور سے ایسا مارا جائے کہ وہ بالکل فنا ہو جائیں اور ان کی ہر قسم کی نعمتوں حتیٰ کہ مویشیوں کو طاقت کے بل بوتے پر محروم کر دیا جائے اور تمام مال غنیمت اور ان کی جائیدادیں وسط شہر میں اکٹھی کر کے خاکستر کر دی جائیں اور آگ سے بھسم کر دیا جائے اور اپنے معبود کو خوش کرنے کے لئے ان کی تمام جائیدادیں ویران کھنڈروں کی صورت میں بنا دی جائیں اور ایسے بلند و بالا ٹیلوں میں تبدیل کر دی جائیں کہ وہ قیامت تک آباد نہ ہو سکیں۔" یہودی مفکرین نے اس نظریہ کی یوں وضاحت کی ہے : رنست رینان گویا ہیں کہ : "دنیا میں جب عدل کا وجود نہ ہو یا عدل کا قیام بھی ناممکن ہو تو اس وقت بہتر یہی ہے کہ مملکت کو ملیا میٹ کر دیا جائے۔" اسی طرح ڈاکٹر اوسکار لیفی اپنا نظریہ یوں پیش کرتے ہیں : "ہم یہودیوں کا شعار یعنی نظریہ یہ ہے کہ دنیا کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے بالخصوص فتنہ و فساد پھیلانے والے لوگ اور نفرت کی چنگاری سلگانے والوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔" [4]

---

[1] کتاب استثنا۔ 7:3

[2] نفس المصدر۔ 35:2

[3] الدکتور ج۔ہ برتس، فی الفکر الیہودی، الحاخام الاکبر لامبراطوریہ بریطانیہ، دار مجلتی للطبع والنشر، بیروت، ص: 1

[4] نفس المصدر، ص: 170

والدکتور وہبہ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص: 44، 45

موجودہ دور میں یہودیوں کی بربریت اور وحشت کا منہ بولتا ثبوت فلسطین میں 1948ء سے لڑی جانے والی جنگیں ہیں جو آج تک جاری ہیں۔ گویا تورات میں بھی جنگ کے کسی اخلاقی مقصد کی نشاندہی نہیں کی گئی بلکہ جنگ کا مقصد ملک گیری بتایا ہے اور ایک ملک کے باشندوں کو طاقت کے زور سے مغلوب کر کے خود ان کو اور ان کے مال و اسباب کو قبضہ میں لے لینا ہے۔

ج۔ مسیحیت اور عسکریت:

مسیحیت کی تعلیم اناجیل اربعہ یعنی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا پر مشتمل ہے۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت دراصل سنیاس، رہبانیت، اور ترک دنیا کا مذہب ہے۔ ظلم و استبداد کے استیصال کے لئے قوت اور جبر کا استعمال قطعاً ممنوع ہے۔ جنگ سے احتراز کا یہ حکم رہبانیت و ترک دنیا کی صورت میں منتج ہوا۔ عیسائی معاشرہ میں جنگ، فوج یا عسکر کا تصور تادیر مفقود رہا۔ نیک دل عیسائی ہمیشہ فوج کی زندگی کو غیر عیسائی زندگی تصور کرتے تھے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مارٹن لوتھر سے پوچھا گیا کہ آیا "فوجی سپاہی عیسائی رہ سکتا ہے۔"[۵۱] اس سوال کی تہہ میں اس دور کے سپاہیوں کا پست کردار تھا۔ جو زمانہ امن اور ایام جنگ کے دوران یکساں طور پر عیسائیت کے احکام اور اصولوں کے منافی ہوا کرتا تھا۔ یہ ان کی غلطی نہ تھی کیونکہ عیسائیت نے اپنے نظام سے جنگ کو خارج کر رکھا تھا لہٰذا جنگ سے متعلق احکام کے فقدان کو قبول کرنے والا نظریہ حیات، عسکری زندگی گذارنے والوں کو، اپنے دوسرے احکام ماننے پر کس طرح مجبور کر سکتا تھا؟

نتیجتاً یورپی ممالک کے شوق جنگ جوئی میں عیسائی افواج کے اعمال ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد رہے ہیں۔ گویا مسیحیت، عسکریت کی نفی کرنے کے باوجود پوری طرح اسے اپنائے ہوئے ہے۔ بلکہ اس میدان میں ہمیشہ زیادتی کی مرتکب رہی ہے۔ جس کی نمایاں مثال صلیبی جنگوں میں ملتی ہے۔

صلیبی جنگوں کے واقعات کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو جنگ دین عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر لڑی گئی تھی اس کے دوران دین عیسیٰؑ کے ہر اصول کو بے دریغ اور انتہائی بے دردی سے توڑا گیا۔[۵۲] ان جنگوں کے آغاز سے اختتام تک "رسول امن و سلامتی" کی امت نے ہر اس اصول کی خلاف ورزی کی جو حضرت عیسیٰ کے اقوال و اعمال

---

۵۱ ارل میڈ، جدید تزویرات کے بانی، میکاولی پر مضمون، پرنسٹن، 1902ء، ص: 7

۵۲ گلزار احمد بریگیڈیر، غزوات رسول اللہ ﷺ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص: 259

کے ساتھ منسوب تھا۔ جب عیسائی لشکر بیت المقدس میں داخل ہوئے تو وہی شہر جسے حضرت عمرؓ نے چار سو ساٹھ سال قبل خون کی ایک بوند بہائے بغیر حاصل کیا تھا اور نہ ہی کسی مرد یا عورت کی آبرو ریزی کی گئی تھی اس شہر میں یورپ کے عیسائی شہسواروں نے "عیسائیت کے خدا کے سامنے خون کے فواروں کی شکل میں قربانیاں پیش کیں ---- نہ تو بڑھاپے کا پاس رکھا اور نہ ہی عورتوں کے احترام کا خیال ان کے غصہ کو ٹھنڈا کر سکا۔ تین دن تک وہ مسلسل کشت و خون میں سرگرم رہے۔ جب ستر ہزار مسلمان تہہ تیغ کئے جا چکے اور کافی یہودی اپنے معبدوں میں آگ کے شعلوں کی نذر کئے جا چکے تب جا کر انہیں یقین آیا کہ "محبت کے پیغمبر" کے ساتھ ان کی جو عقیدت تھی اس کا عملی ثبوت دیا جا چکا تھا اور پھر وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں پسیجے ہوئے دلوں کے ساتھ گرجا میں داخل ہوئے اور یوں اپنے قلب و ذہن کو پاکیزگی بخشی۔ [۵۱]

1099 میں **صلیبیوں** نے یروشلم (بیت المقدس) فتح کر لیا اور چند سال کے اندر اندر ملک فلسطین کا بڑا حصہ ان کے تصرف میں آگیا۔ بیت المقدس کی فتح اسلامی سلطنت کے ضعف اور زوال اور مسیحی دنیا کی بیداری اور اس کی نوخیز طاقت کی خبر دیتی تھی اور عالم اسلام میں خطرہ کی گھنٹی تھی۔ مسیحیوں کے حوصلے اتنے بلند ہو چکے تھے کہ ریجی نالڈ والئی کرک نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر بھی چڑھائی کا ارادہ کیا تھا واقعہ ارتداد کے بعد اسلام کی تاریخ میں اس سے زیادہ نازک وقت اور خطرہ کی گھڑی نہیں آئی تھی۔ اس دوران بے رحم عیسائی عسکریت نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔

د- اہل روم و فارس اور عسکریت:

بعثت نبوی ﷺ کے وقت دنیا کی دو عظیم الشان مملکتیں یعنی فارس اور روما الگ الگ مذہب و تہذیب کی علم بردار تھیں اور دونوں حکومتوں میں وطنی، قومی اور مذہبی تعصب نے شدید جذبہ منافرت پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہور اسلام سے قبل اور بعد ایک عرصہ تک ان میں باہم جنگ و قتال جاری رہا۔ مگر ان کے تعصب قومیت نے کچھ ایسی بھیانک شکل اختیار کر لی تھی کہ یہ لوگ حملہ و ہجوم کے وقت مذہب اور اخلاق و شرافت کے تقاضوں کو بالکل بھول جاتے تھے۔ رومی اور فارسی عسکریت کے اس وحشیانہ پہلو کی نشاندہی مورخین نے یوں کی ہے کہ "ایرانی بادشاہ قباد

---

[۵۱] گلزار احمد بریگیڈیر، غزوات رسول اللہ ﷺ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص: 275

کے زمانہ میں جب حکومت ایران کے اشارہ سے حیرہ کے بادشاہ منذر نے شام پر چڑھائی کی تو اس نے انطاکیہ میں 400 راہبات کو پکڑ کر عزیٰ کے بت پر بھینٹ چڑھا دیا۔ [1] اسی طرح خسرو پرویز نے جب قیصر ماریس کا بدلہ لینے کے بہانے سے سلطنت روم کے خلاف اعلان جنگ کیا تو اپنے حدود مملکت میں مسیحوں کے کلیسا مسمار کرا دیئے۔ نذر کے اموال لوٹ لئے اور صلیب پرستوں کو آتش پرستی پر مجبور کیا۔ [2] اور جب ہرقل نے شمال کی جانب سے ایران پر حملہ کیا تو مجوسیوں کے آتش کدوں کو برباد کرا دیا اور زرتشت کے وطن ارمیاہ کو پیوند خاک کر دیا اور مجوسی مذہب کی توہین و تذلیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ [3]

ھ- عرب قدیم اور عسکریت:

عرب قدیم کے حالات معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس صرف دو ذرائع ہیں۔ ایک وہ داستانیں جو ایام العرب کے نام سے اہل عرب میں رائج تھیں۔ دوسرے شعراء عرب کا کلام جس میں وہ اپنی معاشرت کی تصویر کھینچتے ہیں۔ عرب میں جنگ کی حیثیت ایک قومی پیشہ کی سی تھی۔ ایام جاہلیت میں جاری جنگ ظلم و استبداد کی جنگ تھی۔ قبائل اپنے ہاں قبائلی نظام کی وجہ سے ہمیشہ جنگ و جدل میں مشغول رہتے تھے۔ ہمیشہ دشمن پر اپنا غلبہ جمانے کی فکر میں رہتے اور حلیف کی مدد کے لئے ظلم یا عدل کا لحاظ نہ رکھتے تھے۔ وہ کسی حکومت کے انتظام میں نہ تھے۔ جنگل کا قانون تھا۔ اس کی وضاحت میں دکتور جوشاف لوبون نے کہا ہے کہ "محمد ﷺ کے ظہور سے قبل جزیرۃ العرب ایک مسلسل جنگ کا میدان تھا اہل عرب فطری طور پر سخت جنگ جو اور دلیرواقع ہوئے تھے اور ان میں مسلسل جنگیں جاری رہتی تھیں۔ ان جنگوں میں جس طرح کے وحشیانہ اور اخلاق سوز افعال کا ارتکاب کیا جاتا تھا ان کے تصور ہی سے دنیا کانپ اٹھتی ہے۔ عرب شاعر اپنے جنگی کارناموں کا اظہار اپنے اشعار میں بڑے فخریہ انداز سے کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے ادبی لٹریچر سے (جو بیشتر ان کے جنگی کارناموں پر مشتمل ہے) ان کے مقاصد جنگ معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

انی لمن معشر افنیٰ اوائلهم قتل الکماۃ الا این المحامونا

"میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس کے سردار بہادروں کی اس پکار پر کہ ہاں قبیلہ و نسب کو بچانے

---

[1] Sykes, History of Paris, Vol : I, P : 482

[2] Gibblon, Roman Empire, Vol : V, Ch : 46

[3] Gibblon, Roman Empire, Vol : I, Ch : 46

والے کہاں ہیں، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔"

واحیانا علی بکر اخینا اذا مالم نجد الا اخانا[1]

"اور بہت دفعہ ہم اپنے بھائیوں یعنی بنی بکر پر حملہ کر دیتے ہیں۔ جبکہ اپنے بھائی کے سوا ہم کسی دوسرے کو نہیں پاتے۔"

مذکورہ اشعار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عرب کی تمام جنگیں غارت گری، انتقام یا تفاخر کے لئے ہوتی تھیں اور بغض و عداوت کی آگ ان کے وحشیانہ افعال کو ہلاکت آفرین اور قیامت خیز بنا دیتی تھی۔

و۔ اشتراکیت اور عسکریت:

کیونزم یعنی اشتراکیت کوئی ایسا فرقہ نہیں جس کی بنیاد کسی مذہب پر استوار کی گئی ہو بلکہ اشتراکی نظام پر یقین رکھنے والوں کے نزدیک خدا کا وجود اور مذہب سرے سے عبث خیالات ہیں۔ یہ گروہ کسی مذہب کے لگے بندھے اصولوں پر چلنے کو غلامی کے مترادف سمجھتا ہے اس آزادی کے پیش نظر چونکہ اللہ تعالیٰ، عالم آخرت، جزا و سزا کا انکار لازم آتا ہے۔ اس لئے ان سے کسی پاکیزہ مقصد کے حصول کے لئے جنگ لڑنے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ ان کے ہاں دشمنوں پر اپنا تسلط رکھنے کے لئے عیاری و مکاری، وحشت و بربریت دروغ گوئی اور زر و مال کا لالچ، غرضیکہ ہر قسم کا جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنا کوئی جرم نہیں۔ اس طرح اس فلسفے میں ہر اس انسان کا شمار دشمن کی فہرست میں ہے جو اشتراکی نظام سے تعلق نہیں رکھتا۔ اشتراکی نظام کے تحفظ اور پرچار کے لئے نہ صرف جنگ کو جائز رکھا گیا ہے۔ بلکہ اشتراکیت جو مسلسل نظام ہے اس کی بزور شمشیر حفاظت کی جاتی ہے۔ اور مخالف نظریات کا طاقت کے بل بوتے پر قلع قمع کیا جاتا ہے۔

ایک نوبل انعام یافتہ کسی ادیب کے مطابق اشتراکیت یا کیونزم ایک مکتب فکر ہے جس کو روس میں بطور ضابطہ و قانون کے اپنایا گیا ہے۔ روسی وزیر اعظم گورباچوف کے بیان کے مطابق "روس میں اسلام کی اشاعت اور کیونزم کے خلاف پراپیگنڈہ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

نظریہ کی تلقین اور اس کے تحفظ کے علاوہ اشتراکیت میں کیونسٹ ایجوکیشن اور روسی سپاہ کے لئے تلقین عقیدہ کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ روسی سپاہی کیونسٹ سوسائٹی کی تشکیل میں حصہ دار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

---

[1] ابو تمام، حبیب بن اوس الطائی، دیوان الحماسہ، دار القلم، بیروت، 26/1

اس حقیقت کو روسی وزیر دفاع مارشل اے اے گریشکو نے یوں واضح کیا ہے! "روسی افسر صرف ایک رسمی انجینئر یا ٹیکنیشن یعنی محدود نوعیت کا ایک فوجی پیشہ ور نہیں ہے بلکہ وہ ہر دو طرح نظریاتی استاد بھی ہے اور معلم بھی" [۵۱]
اشتراکی افواج کی تربیت کا فلسفہ، تاریخ کے مادی نظریہ پر مبنی ہے۔ اشتراکی فلاسفہ کے نزدیک معاد کا کوئی تصور نہیں۔ ان کے ہاں انسانی رویے کا دارومدار مادی نظریات پر ہی ہے جیسا کہ مارکس نے بتایا کہ "تاریخ کی ساری کش مکش معاشی اسباب و محرکات سے پیدا ہوتی ہے ملک گیری کی لڑائیاں، مذہبی اصولوں کی خونریزیاں اور ایک ہی ملک کے مختلف عناصر میں باہمی خانہ جنگی، سب کی تہہ میں معاشی اسباب کارفرما رہے ہیں۔" وہ کہتا ہے "یہ صحیح ہے کہ تاریخ کی بڑی بڑی لڑائیاں مذہبی یا سیاسی اصولوں کے نام پر لڑی گئی ہیں۔ لیکن اس سے یہ حقیقت نہیں بدل سکتی کہ ان لڑائیوں کی اصل علت اور ان کا حقیقی سبب معاشی ضروریات و محرکات ہی تھے۔ مذہب اور سیاست کے نقاب میں انسان دراصل اپنی معاشی ضروریات اور مادی اغراض پوری کرنا چاہتا ہے۔" [۵۲]

روسی افواج کے نظریہ تربیت میں مارکس کے نظریہ کا عکس ہی جھلکتا ہے۔ روس کی طرف سے شروع کردہ تمام جنگوں کا مقصود مادی فوائد کا حصول رہا ہے۔ نیز مادی بنیادوں پر ہی طبقاتی کش مکش پیدا کی گئی اور یوں باہمی نفرتوں کی بنیاد پر معاشرے کی شکست و ریخت کرنے اور اسے کمزور کرنے کے بعد ان ممالک پر اپنے مادی مقاصد کے لئے قبضہ کر لیا۔

گویا اشتراکیت نے نسل انسانی کو ہمیشہ ہمیشہ باہم برسرپیکار رہنے کا درس دیا ہے اور پرامن بقائے باہمی کے نظریہ کی نفی کی ہے۔ جدید نظریاتی مفکرین نے مارکس کے مادی اور باہمی نفرت و جنگ کے نظریات پر مدلل تنقید کی ہے اور اس کا ابطال کیا ہے۔ برٹرینڈرسل نے مارکس کے نظریات پر یوں تبصرہ کیا ہے۔ "مارکسیت انسان کے ادنیٰ جذبات مثلاً نفرت، عداوت اور حسد سے کام لیتی ہے۔ اسی وجہ سے ایسے افراد کثیر تعداد میں ملتے ہیں جو کچھ عرصہ قبل اشتراکیت کے پرستار اور حامی تھے لیکن اب اس کے سخت ترین مخالف ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان جذبات کو ابھار کر مارکس نے اشتراکیت کو ایک نہایت جاندار، طاقت ور اور پرزور تحریک بنا دیا۔" [۵۳] علم النفس کی رو سے کسی لڑائی یا کشمکش میں کامیابی اور فتح حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ یہی ہے کہ انسان کے جذبہ نفرت کو مخاطب بنایا جائے۔ اس طرح اشتراکی عسکریت کے مبنی

---

[۵۱] Inam-ul-Haq, Islamic Motivation and National Defence, Vanguard, Lahore, 1991

[۵۲] مظہرالدین صدیقی محمد، اشتراکیت اور نظام اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 1987ء، ص: 121 - 122

[۵۳] نفس المصدر، ص: 163-164

برابطال ہونے میں کئی شواہد موجود ہیں۔ بدیں وجہ رفتہ رفتہ دنیا ان نظریات سے کنارہ کشی اختیار کر رہی ہے۔

2- جدید نظریات اور عسکریت:

سترہویں صدی کی ابتداء تک یورپ میں قوانین جنگ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا لڑنے والوں کو ایک دوسرے کی مضرت رسانی کا غیر محدود اور غیر مشروط حق حاصل تھا۔ پہلی مرتبہ جنگ سی سالہ کے خاتمے پر 1648ء میں صلح نامہ ویسٹ فالیہ کی ترتیب میں سفارش کی گئی کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں، پادریوں اور اسیران جنگ کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ ایک مبہم سفارش تھی۔ البتہ 1899ء کی ہیگ کانفرنس میں جنگ کے مختلف شعبوں کے متعلق کچھ سمجھوتے ہوئے جو نامکمل رہے۔ حتیٰ کہ 1907ء میں اس کا دوبارہ اجلاس ہوا اور پہلی مرتبہ ایک قانون جنگ مرتب کیا گیا۔ اہل قتال اور غیر اہل قتال میں فرق کیا گیا۔ قواعد جنگ کی تدوین کی گئی۔ جن کے ذریعے جنگ کی وحشت کو گھٹانے کی سعی کی گئی اور غیر جانبداری کا لحاظ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران مجلس اقوام متحدہ کا قیام عمل میں لایا گیا اور اکتوبر 1944ء میں اس کے منشور کا اعلان کیا گیا۔ اس سے قبل اگست 1941ء کو امریکہ اور برطانیہ نے منشور اوقیانوس دنیا کے سامنے پیش کیا اور حقوق انسانی کی حفاظت کے عزم کا اظہار کیا۔ لیکن اس دوسری جنگ عظیم میں بھی کسی منشور کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ جنگی قیدیوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کیا گیا۔ ان کے جسم سے کھاد، روغنیات اور صابن بنائے گئے، بے شمار شہر تباہ ہوئے اور بالآخر امریکہ کے ایٹم بموں سے جاپان کے دو شہر ہیروشیما اور ناگاساکی برباد کر دیئے گئے۔ اس طرح مغربی اقوام کے عسکری قوانین ناکام ہو چکے ہیں۔

نسل پرستی بھی اقوام عالم کے ہاں نظریہ کے طور پر موجود رہی ہے۔ یہودیت تو نسل پرستی ہی کا دوسرا نام ہے۔[1] اس کی تائید ایک یہودی مفکر اسحاق رابن کے اس قول سے ہوتی ہے۔ "ایک خاندان، قبیلہ، نسل، رنگ، زبان اور صوبہ کو تقسیم یا منقسم یا متحد کوئی طاقت نہیں کر سکتی ماسوائے نظریہ کے۔ نظریاتی ملک کی نظریاتی سرحدوں کا استحکام ہی ملک کی سالمیت و بقا کا ضامن ہے۔ یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک آئین نظریاتی سرحدات کو تحفظ نہ دے"[2] مغربی ممالک میں ملک سے وفاداری اور ملکی نظریہ سے وفاداری کو بھی ایک منظم طریقہ سے اجاگر کیا جاتا ہے۔ ترغیب اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والے مذہبی اور نفسیاتی اصول اختیار کئے جاتے ہیں چرچ کی عبادت منظم کی جاتی ہے۔

---

[1] Alan Unterman, Jews Their Religious Beliefs and Practices, Routledge and Kegan Paul, London, 1981, P:16

[2] John Haynes, A Gentile's Survey of Zoinism, Arno Press, New York,1977, P:93

مسلح افواج کو لٹریچر اور میگزین دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کو مخصوص طرز زندگی دیا جا سکے۔ عساکر میں سولجر آف کرائسٹ "Soldier of Christ" یعنی "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپاہی" اور "امریکی طرز زندگی" "American way of life" کے الفاظ ذہن نشین کرائے جاتے ہیں۔ جس سے سپاہ کو یہ باور کرانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ ان ممالک کی صرف جغرافیائی سرحدوں کے محافظ نہیں ہوتے بلکہ نظریاتی قدروں کے محافظ بھی ہوتے ہیں۔
افواج کی تعلیم و تربیت اور ان کی کردار سازی نیز پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے دنیا کے تمام ممالک میں کاوشیں کی جاتی ہیں اور ان کے مفکرین طرح طرح سے ان کی رہنمائی اپنے اقوال اور تحریروں سے کرتے رہتے ہیں۔
ایک مفکر کے بقول ایک تربیت یافتہ قائد یا سپہ سالار میں تین خوبیاں ہونی چاہئیں۔

Just as the diamond requires three properties for its formation ----- carbon, heat and pressure ---- successful leader requires the interaction of three properties ---- character, knowledge and application" [۵۱]

"یعنی جس طرح جوہریا ہیرے کو اپنی تشکیل کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی کاربن، گرمی اور دباؤ ----- اس طرح کامیاب قائد کو بھی تین خصائل کی ضرورت ہوتی ہے یعنی کردار، علم اور عمل۔" گویا "جب تک کوئی آدمی اپنے عقیدہ اور معاشرہ کے دفاع کے لئے اپنی جان تک کو داؤ پر نہ لگا دے وہ دیانتدار اور وفادار متصور نہ ہوگا۔ اس لئے جدید دنیا میں ایک عسکری کو نظریہ کی حفاظت کے لئے با کردار عمل کا مظاہرہ کرنے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

3- عسکریت کا اسلامی تصور:

الف۔ اسلامی نظریہ کے مطابق جنگ کا اصل مقصد دشمن کو ہلاک کرنا اور نقصان پہنچانا نہیں بلکہ صرف اس کے شر کو دفع کرنا ہے۔ اس لئے اسلام کا حکم یہ ہے کہ جنگ میں صرف اتنی ہی قوت استعمال کی جائے جو فتنہ کے انسداد

---

۵۱ Adair John, Training of Decisions, Macdonald and Jane's, London, 1968, P:57

کے لئے انتہائی ضروری ہو اور اس قوت کی زد میں صرف انہی لوگوں کو آنا چاہئے۔ جو عملاً بر سرپیکار ہوں یا جن سے شر کا اندیشہ ہو۔ جیساکہ ارشاد ربانی ہے۔

وقتلوهم حتى لا تكون فتنه[1] "یعنی ان سے لڑتے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔"

ب- اسلام نے اپنی جنگوں کو "جہاد فی سبیل اللہ" کا نام دے کر مقصد جنگ کی تطہیر کی اور اس پاکیزہ تصور کے تحت جنگ کا ایک مکمل ضابطہ قانون ان الفاظ میں وضع کیا

الذين آمنو ايقاتلون فى سبيل الله ج والذين كفروا يقاتلون فى سبيل الطاغوت[2]

یعنی "جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جو کافرو نافرمان ہیں وہ ظلم و سرکشی کی خاطر لڑتے ہیں۔" اس پاکیزہ عسکری تصور کو نبی اکرم ﷺ نے مختلف طریقوں سے واضح فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں یوں آیا ہے۔

"ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بولا کہ کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی شہرت و ناموری کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے، فرمائیے کہ ان میں سے کس کی جنگ راہ خدا میں ہے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ راہ خدا کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑے"۔[3]

ایک حدیث میں یوں آیا ہے :

معاذؓ بن جبل سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا " الغزو غزوان، فاما من ابتغى وجه الله واطاع الامام وانفق كريمه واجتنب الفسا دكان نومه و نبهه اجرا كله و اما من غزا رياء وسمعة وعصى الامام وافسد فى الارض فانه لا يرجع بالكفاف۔[4]

لڑائیاں دو قسم کی ہیں۔ جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کے لئے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا مستحق ہے۔ اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور

---

[1] القرآن - 193:2
[2] القرآن - 76:4
[3] النسائی، احمد بن شعیب، السنن، دار الکتاب العربی، الطبعہ الاولیٰ، 1930ء، بیروت، 25/6
[4] نفس المصدر، 49/4

شہرت و ناموری کے لئے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہ چھوٹے گا (یعنی الٹا عذاب میں مبتلا ہو گا)

ج- اسلام نے سارے وحشیانہ افعال کی ممانعت کی ہے جو عہد جاہلیت اور دیگر مذاہب و نظریات کی لڑائیوں میں روا رکھے جاتے ہیں- نیز اسلام نے غیر محاربین کی حفاظت کو فرض ٹھہرایا اور غیر جانبدار قوموں کے تحفظ کی تاکید کی ہے- بالخصوص وہ اقوام جن کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ ہوا ہو- اس سلسلے میں شارع اسلام ﷺ کی تعلیمات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں- غیر اہل قتال کی حرمت کے لئے یوں فرمایا کہ :

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا إمراة ولا تغلوا و ضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللّٰہ یحب المحسنین [1]

نہ کسی بوڑھے ضعیف کو قتل کرو نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو- اموال غنیمت میں چوری نہ کرو- جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے سب ایک جگہ جمع کرو- نیکی و احسان کرو کیونکہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے-" اس طرح لوٹ مار کی ممانعت کے لئے یوں حکم فرمایا-

ان النھبۃ لیست باحل من المیتۃ [2] یعنی "لوٹ مار کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے-"

نیز تباہ کاری کی ممانعت کے لئے قرآن پاک میں یوں ارشاد ہے :

واذا تولی سعیٰ فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللّٰہ لا یحب الفساد [3]

"جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصلوں اور نسلوں کو برباد کرے- مگر اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا-" اسی طرح قتال اسیر کی بھی ممانعت آئی ہے- فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ جب شہر میں داخل ہونے لگے تو فوج میں یہ اعلان کرا دیا تھا

لا تجھزن علی جریح ولا یتبعن مدبر ولا یقتلن اسیر ومن اغلق بابہ فھو آمن [4] یعنی "کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے"

---

[1] النسائی، احمد بن شعیب، السنن، دار الکتاب العربی، الطبعہ الاولیٰ، 1930ء، بیروت، 49/4

[2] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، دار المعرفہ، بیروت، 13/2

[3] القرآن - 2 : 205

[4] ابن ہشام، عبد الملک، سیرت النبی ؐ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 479/2

د۔ ان احکام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے جنگ کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا جو دیگر اقوام میں جنگ کا لازمی جزو تصور کئے جاتے ہیں۔ اسیران جنگ اور سفراء کا قتل، معاہدین کا قتل، غیر اہل قتال کا قتل، لوٹ مار، قطع طریق، فصلوں اور بستیوں کی تخریب، بد عہدی و پیمان شکنی سب کچھ آئین جنگ کے خلاف قرار دے دیا گیا اور جنگ صرف ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی دشمن کو کم سے کم ممکن نقصان پہنچا کر اس کے شر کو دفع کرنے کی کوشش کریں۔ حضور اقدس ﷺ کے نظام حیات کے مطابق الہ العالمین کے سوا کسی کی اطاعت کی اجازت نہ تھی۔ اس اصول کے تحت حضور ﷺ کی فوج کے سپاہی اگر شکست قبول کرتے تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ غیر اللہ کی اطاعت قبول کر رہے ہیں۔ [1]

ھ۔ سپاہ کی نظریاتی اور معنوی تربیت کے لئے قوت محرکہ کو پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے اس قوت کو پیدا کرنے کے لئے دین ایک موثر عامل رہا ہے۔ نیز دین سے سیاسی قوت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کسی سلطنت کے ساتھ دینی عصبیت مل جاتی ہے اور وہ کسی نہ کسی مذہبی خیال کو اپنا لیتی ہے تو اس سے اس کی قوت و شوکت میں قبائلی عصبیت سے کہیں زیادہ استواری آجاتی ہے۔ کیونکہ مذہبی جوش اور مذہبی عقیدت، نقطہ نظر کو تمام دوسرے پہلوؤں سے ہٹا کر ایک ہی پہلو پر مرتکز کر دیتی ہے اور خواہشات اور آرزوؤں کو حق کی جانب موڑ دیتی ہے۔ اس سے ان میں ایک طرح کی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ جس کا مقابلہ کرنا کبھی آسان نہیں ہوتا۔ وہ حکومتیں جو دین کی نعمت سے محروم ہوتی ہیں اگرچہ تعداد میں ان سے کہیں زیادہ ہوں ان کی برابری نہیں کر سکتی۔ اور جب ان سے لڑیں گی لامحالہ شکست کھائیں گی۔ اور ذلیل ہوں گی کیونکہ باطل کی پیروی کی وجہ سے ان کے سامنے کوئی متحدہ غرض ہی نہیں ہوتی جو ان کو قتال و جہاد پر آمادہ کرے۔ ان کی صفوں میں جوش و شجاعت کے جذبات پھیلائے اور مقابلہ میں قائم رکھے۔ یہ موت سے ڈرتی ہیں اور جنگ و پیکار سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں کرپاتیں۔

و۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ صدر اسلام میں مسلمانوں کو جو بے پناہ فتوحات حاصل ہوئیں وہ اسی سبب

---

[1] ابن ہشام، عبدالملک، سیرت النبی ؐ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 479/2

سے ہوئیں کہ مسلمان دین سے بہرہ مند تھے اور مخالفین میں دینی نقطہ نظر مفقود تھا قادسیہ اور یرموک کی معرکہ آرائیوں کو دیکھئے۔ مسلمانوں کی فوجیں تو تیس تیس ہزار سے کچھ ہی اوپر تھیں مگران کے مقابلے میں واقدی کی روایت کے مطابق اہل فارس کے عساکر کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی اور رومی سپاہی تو چار چار لاکھ کی تعداد میں میدان جنگ میں اترتے تھے لیکن اس کثرت تعداد کے باوجود ان کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔ [51]

ز۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی رائے میں ایک پیشہ ور سپاہی صبغۃ اللہ کی جھلک ہوتا ہے انہوں نے ایک موقع پر فرمایا:

"The professional soldier in a Muslim Army, pursuing the goals of a Muslim State, can not become "Professional" if in all his activities he does not take on the colour of Allah" [52]

یعنی "کسی مسلمان فوج کا پیشہ ور سپاہی جو مسلم ریاست کے مقاصد کا نفاذ چاہتا ہو اس وقت تک "پیشہ ور" نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے امور میں اللہ کا رنگ حاوی نہیں کر لیتا"

خلاصہ:

سلام میں عسکریت کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو اسلام کی نصرت کے لئے عسکری بنائے اور اسلام کی قولی اور عملی خدمت کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس پیشہ سے منسلک کرے۔ لفظ جند قرآن مجید میں مجموعی طور پر تینوں ذی شعور مخلوق یعنی فرشتے، جن اور شیاطین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ [53]

ارشاد ربانی ہے وللّٰہ جنود السمٰوٰت والارض وکان اللّٰہ عزیزا حکیما [54]

آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا ہی کے ہیں اور خدا غالب (اور) حکمت والا ہے۔

دوسری جگہ فرمان خداوندی ہے۔

---

[51] محمد حنیف ندوی، افکار ابن خلدون، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1984ء، ص: 116

[52] Cohen Stephen P., The Pakistan Army, Karachi Oxford University Press, 1992, Preface.

[53] عبداللہ بن فریح العقلا، اعداد الجندی المسلم اعدادہ واسسہ، وزارۃ الدفاع والطیران، الریاض، 1993ء، ص: 23
والراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن المفضل، المفردات، اہل حدیث اکادمی، لاہور، 1971ء، ص: 198

[54] القرآن - 7:48

وان جندنا لهم الغلبون [1] یعنی "اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔"

یہاں اللہ کے جند سے مراد رسول اور ان کے متبعین ہیں۔ [2]

اسلام میں لفظ جند صرف ایک جندی عسکری تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے ہر اس مسلم کے لئے جو اللہ کے دین کی خدمت کر رہا ہے چاہے کسی میدان میں بھی ہو اور جس کا مقصود عقیدہ کی توضیح، اس کی طرف دعوت اور اس کا دفاع ہو۔ [3]

اور یہ مقصود حاصل نہیں ہو سکے گا جب تک کہ یہ جندی دین کی ان تمام عالی بنیادوں پر ایمان نہ لائے اور ان پر عملدر آمد کر کے اپنی ذاتی مثال نہ پیش کرے اور ان کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہ بنا لے۔ اسلام ان ضروری بنیادی امور کی طرف راہنمائی کرتا ہے جن پر ایک مسلم جندی کی تربیتی تنظیم کی بنیاد رکھی جائے اور جن پر ایک مسلم فوج کی تعمیر کی منصوبہ بندی کی جائے۔ اسلام نے فطرت کے اعتبار سے ایک مسلم جندی کے پیغام کو اسلام کے پیغام کا حصہ گردانا ہے۔ اس طرح اسلام نے تعمیر و تیاری کی ایک ہمہ گیر ضرورت کی طرف راہنمائی کی ہے جو تمام اطراف یعنی روحانی، اخلاقی اور مادی اطراف پر بیک وقت محیط ہو۔

فصل چہارم ---- مسلم سپاہ کی نظریاتی تربیت:

1- تربیت کے لغوی اور اصطلاحی معانی:

تربیت کا مادہ "رب" ہے۔ جس کے معنی پالنہار اور پروردگار کے ہیں اور کسی چیز کی اس طرح تربیت کرنے والا حد کمال کو پہنچ جائے۔ امام راغب اصفہانی نے رب کی تعریف اس طرح کی ہے۔

الرب فی الاصل لتربیة وهو انشاء الشی ء حالا فحالا حد التمام" [4] بر رب یرب برو زن مد یمد کا معنی اصلاح کرنا، تربیت کرنا اور نگرانی ہے کرنا جیسے حضرت حسانؓ بن ثابت کا قول ہے۔

---

[1] القرآن - 37 : 173

[2] الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، الجامع بین فنی الروایہ والدرایہ من علم التفسیر، دار الفکر، بیروت، 1973، 5/ 46

[3] عبداللہ بن فرج العقلا، اعداد الجندی المسلم، اهدافه واسسه، وزارة الدفاع والطیران، الریاض، 1993ء، ص: 23

[4] الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن المفضل، المفردات، اہل حدیث اکادمی، لاہور، 1971ء، ص: 184